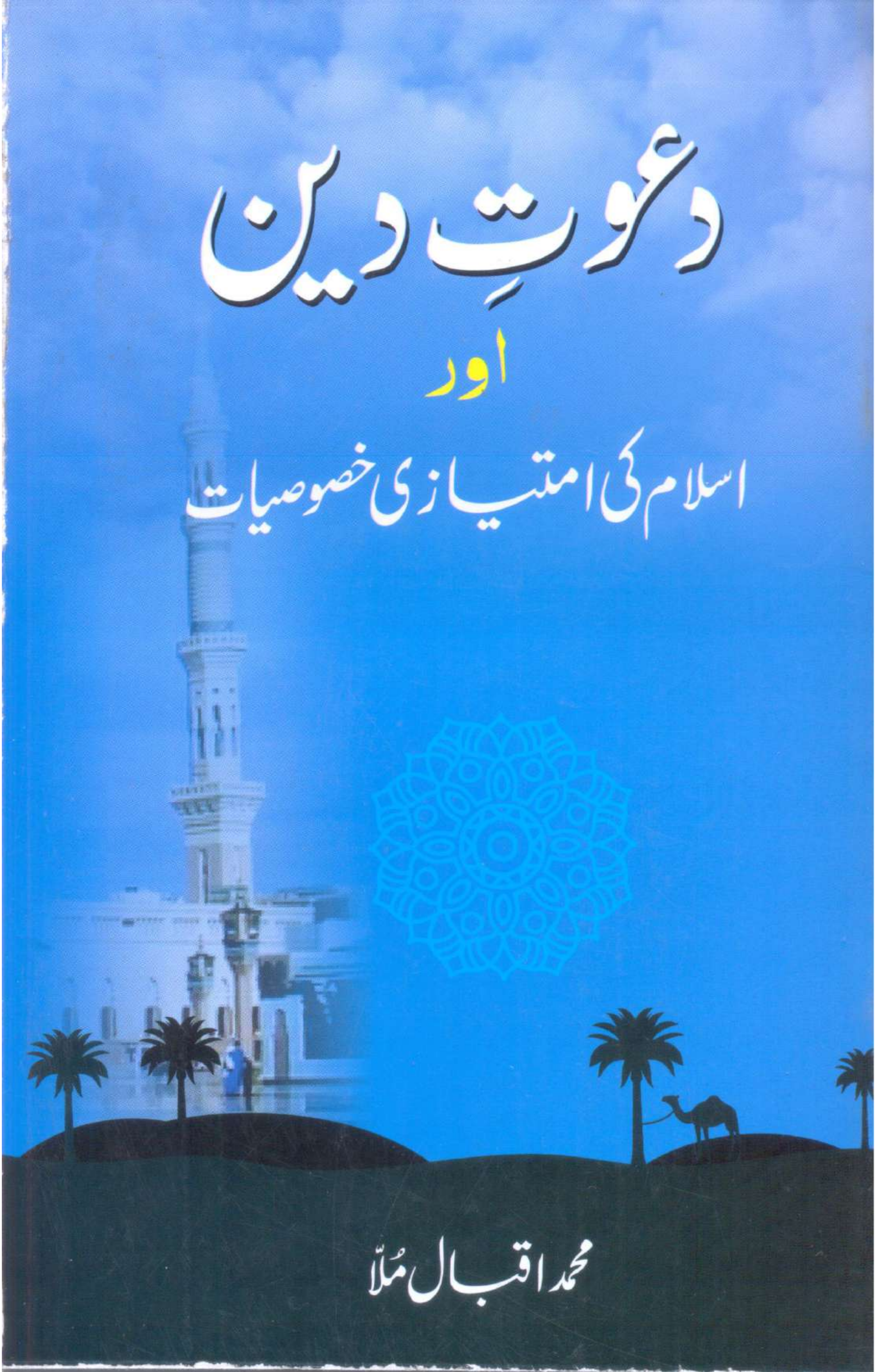

دعوتِ دین
اور
اسلام کی امتیازی خصوصیات
محمد اقبال مُلاّ

دعوتِ دین

اور

اسلام کی امتیازی خصوصیات

محمد اقبال مُلّا

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

ترتیب

پیش لفظ	۴
دعوتِ دین اور مسلمان	**۵**
دعوت سے مراد	۶
غیر مسلموں کے عقائد	۶
شرک	۷
آواگمن یا پنر جنم (عقیدۂ تناسخ)	۱۰
اوتار واد	۱۳
فریضۂ دعوت	۱۶
دعوت کا محرک	۱۸
دعوت اسلامی کا جامع تعارف	۱۹
سماجی بگاڑ اور اخلاقی خرابیوں کا حل	۲۰
اسلام کی امتیازی خصوصیات	**۲۵**
اسلام اللہ کا اتارا ہوا دین ہے	۲۶
اسلام محفوظ دین ہے	۲۸
اسلام مکمل نظام زندگی ہے	۳۰
اسلام کی تعلیمات تضاد سے پاک ہیں	۳۲
اسلام عالم گیر اور آفاقی دین ہے	۳۲
اسلام زندگی کے بنیادی سوالات کا جواب فراہم کرتا ہے	۳۴
اسلام متعدل اور متوازن دین ہے	۳۵
اسلام میں پروہت واد نہیں ہے	۳۷
اسلام عقلی دین ہے	۳۸
اسلام سماجی مسائل کا واحد حل ہے	۳۸
اسلام کا عملی نمونہ تاریخ میں محفوظ ہے	۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

داعی کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف اسے دین حق کا بہ خوبی علم ہو، اس کے امتیازات و خصوصیات سے وہ اچھی طرح آگاہ ہو اور دوسری طرف اس کے مخاطبین جس مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اس سے بھی واقفیت رکھتا ہو، تاکہ حسب ضرورت وموقع وہ اس پر پورے اعتماد کے ساتھ تبصرہ کر سکے اور راہِ حق کی خوبیاں بیان کر سکے۔ اس کتاب میں یہ موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ اس میں ایک طرف غیر مسلموں کے عقائد: شرک۔ آواگمن یا پنر جنم اور اوتار واد پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور ان کی کم زوریاں نمایاں کی گئی ہیں تو دوسری طرف اسلام کی امتیازی خصوصیات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے وہ پہلو بیان کیے گئے ہیں جو دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسے نمایاں کرتے ہیں۔ دعوت کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ اس کا جامع انداز میں تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

جناب محمد اقبال ملّا، سکریٹری شعبۂ دعوت، جماعت اسلامی ہند کو دعوت کے موضوع سے خصوصی دل چسپی ہے۔ وہ اس کام کا عملی تجربہ رکھتے ہیں۔ انھیں بہ خوبی علم ہے کہ مخاطبین کے سامنے کن پہلوؤں کو نمایاں کرنا چاہیے اور اس کے لیے کیا حکیمانہ اسلوب اختیار کرنا چاہیے۔ وہ منصوبہ بند طریقے سے اس موضوع پر قیمتی لٹریچر تیار کر رہے ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کے درمیان مقبول ہیں۔

امید ہے کہ ان کی اس کتاب سے بھی فائدہ اٹھایا جائے گا۔

۱۹ر رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ — محمد رضی الاسلام ندوی

۴ر جون ۲۰۱۸ء — سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند

دعوتِ دین اور مسلمان

توحیداور رسالت کی گواہی کے بعد فرض عبادات: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی آداب وشرائط کے ساتھ مسلمانوں پر لازمی ہے۔ فرض عبادات کی پابندی کرنے والوں کی تعداد مسلمانوں کے اندر کچھ زیادہ نہیں۔ ان سے غفلت اور کوتاہی برتنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جو مسلمان کوتاہی کرتے ہیں وہ کم از کم یہ سمجھتے ہیں کہ فرض عبادات کو بلا کسی عذر کے ترک کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہو رہے ہیں۔ ان فرض عبادات کی طرح ایک اہم فریضہ دعوت دین کا ہے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ مسلمان بالعموم اس فریضے کی ادائیگی سے غافل رہتے ہوئے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کا دین دار کہلانے والا طبقہ بھی دعوت دین کی اہمیت اور ضرورت سے بے خبر ہے۔ دعوتِ دین کو وہ فریضہ ہی نہیں سمجھتے، اس لیے اس کی ادائیگی کا سوال ان کے لیے کہاں سے پیدا ہوگا؟ دعوت کی فرضیت کے سلسلے میں قرآن اور حدیث میں واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ دعوت سے غفلت کے ہول ناک نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے، اس کی اہمیت اور بشارتوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ دعوت کا اہم پہلو مسائلِ زندگی کا حل بھی ہے۔ درحقیقت انسانی زندگی کے مسائل کا اسلام واحد حل ہے۔

'دعوت' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی بلانا، پکارنا اور مدعو کرنا ہے۔ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف ادوار میں قوموں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ نبوت اور رسالت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا۔ لیکن دعوت جو کارِ نبوت اور کارِ رسالت ہے، قیامت تک جاری رہے گا، کیوں کہ دعوت کا بنیادی اور اصل مقصد اللہ کے بندوں کو الحاد، شرک اور کفر سے بچا کر انھیں راہِ ہدایت پر لگانے کی کوشش

ہے۔اور اس کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی۔

قرآن میں دعوت کے لیے کئی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں:

شہادتِ حق، تبلیغ، تبشیر، انذار، دعوت الی اللہ، تذکیر اور تبیین وغیرہ۔

دعوت سے مراد

دعوت سے مراد غیر مسلموں (مردوں اور خواتین) کو اللہ تعالیٰ کی مکمل بندگی اختیار کرنے کی طرف بلانا اور ماسوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی بھی بندگی اختیار نہ کرنے کی تلقین کرنا ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کو دلائل اور حکمت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ برادرانِ وطن میں شرک عام ہے۔اس کے ساتھ تصورِ رسالت کے بجائے اوتار واد اور عقیدۂ آخرت کے بجائے آواگمن اور پنر جنم کا تصور موجود ہے۔ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے سلسلے میں تفہیم کا سارا کام ایک ہی نشست میں کر لینا ممکن نہیں ہوتا، بلکہ مدعو سے بار بار ملاقات اور گفتگو کی ضرورت ہوتی ہے۔دعوت دینے والے کو نتیجہ حاصل کرنے میں نامناسب عجلت نہ کرنی چاہیے، بلکہ ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے۔ مدعو کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہیے۔البتہ دعوت دینے والے کو جب اطمینان ہو جائے کہ مدعو نے توحید، شرک اور عقیدۂ رسالت اور آخرت کو سمجھ لیا ہے اور اس کے تقاضوں سے بھی وہ واقف ہو گیا ہے تو اسے قبولِ حق کی دعوت دی جانی چاہیے۔بعض اوقات مدعو، ایک آدھ ملاقات اور گفتگو میں دعوت کے بنیادی نکات کو سمجھ لیتا ہے یا ان میں سے کسی ایک یا دو نکات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ایسے موقع پر داعی کو بھی اطمینان ہوتا ہے کہ مخاطب پر دعوت کی حجت قائم ہو گئی ہے۔ یہاں مخاطب کو اگلا قدم اٹھانے اور راہِ حق پر آگے بڑھنے کی ترغیب دی جانی چاہیے۔

غیر مسلموں کے عقائد

آئندہ صفحات میں شرک، اوتار واد اور آواگمن کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی جائے گی۔ان کی تردید کے لیے دلائل بھی دیے جائیں گے، تاکہ دعوت کا کام کرنے والوں کو گفتگو کرنے میں آسانی ہو۔

غیر مسلموں کے ان تصورات یعنی شرک، اوتار واد اور آواگمن کے لیے کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔ وید بھی ان کی تائید نہیں کرتے۔

شرک

دعوتی گفتگو میں غیر مسلموں کو بندگیِ رب اور کفر و شرک جیسے موضوعات کے متعلق تفصیل سے سمجھانا ضروری ہے، کیوں کہ ان کے ہاں تصورِ خدا، بندگیِ رب، عبادت اور اطاعتِ خدا کے تصورات مشرکانہ تعلیمات سے آلودہ ہیں۔

دنیا ہی کی طرح اس ملک میں بھی شرک کی تاریخ قدیم ہے۔ آریوں کی ہندوستان آمد سے قبل جو قومیں یہاں آباد تھیں، ان کے مذہبی عقائد کے متعلق مختلف آراء مورخین کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ بعض مورخین موہن جوداڑو اور ہڑپا تہذیب کو مشرکانہ باور کرتے ہیں جب کہ بعض دیگر مورخین کے نزدیک یہ توحید پر مبنی تہذیب تھی۔ یہ بات اس لیے قرین قیاس ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق ہر قوم اور دور میں رسول اور نبی آتے رہے ہیں۔ اس لیے ہندوستان میں بھی یقیناً رسول اور نبی آئے ہوں گے۔ ان کی تعلیمات کے اثرات قدیم باشندوں کے بعض طبقات کے اندر آج بھی موجود ہیں۔ مثلاً اس ملک کے کروڑوں آدی باسیوں کی سماجی و اخلاقی کیفیت کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں برسوں کے بعد بھی اسلام کی بعض تعلیمات بگڑی ہوئی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر آدی باسیوں کی ان صفات کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے، مساوات، اجتماعی زندگی، سمع و طاعت، مشاورت، اجتماعی فیصلے کی روایت، عورتوں کا احترام و تکریم اور خاندان و معاشرے میں ان کے اہم رول کا ادراک۔

ایک بڑی غلط فہمی کی تردید ضروری معلوم ہوتی ہے۔ انسانیت کا آغاز بعض فلسفی، مورخین اور دانشوروں کے نزدیک شرک سے ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور دیگر مذہبی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص توحید سے ہوا اور پہلا انسانی سماج شرک کے شائبہ سے بالکل پاک بنیادوں پر قائم تھا۔ اس بحث کو مختصر کر کے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ برادرانِ وطن میں دعوت کا کام کرتے ہوئے شرک کی تردید کیسے کی جاسکتی ہے؟ دعوت کے تعارف کے موقع پر شرک کی تردید نہایت ضروری ہے اور اس کے لیے معقول عقلی دلائل دینا چاہیے۔

شرک کی تردید ایک حساس معاملہ ہے۔ اس عمل میں برادران وطن کے معبودوں کی توہین وتذلیل ،طنز وتعریض اور اشتعال انگیز گفتگو سے بچنا چاہیے۔ نرمی ومحبت ، دل سوزی اور داعیانہ تڑپ کے ساتھ انہیں سمجھانا چاہیے۔ بہترین عقلی دلائل اور حکمت کے ذریعے شرک کی خرابیوں اوراخروی زندگی میں اس کے بھیانک انجام کے بارے میں بتانا چاہیے۔ برادران وطن کے پاس شرک کے لیے کوئی دلیل بالعموم اس کے سوانہیں ہوتی کہ یہ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے چلا آرہا ہے اوراس سلسلے کو جاری رکھنا مذہبی ذمہ داری ہے۔ باپ دادا کے بارے میں تصور کرنا گناہ ہے کہ شرک کی وجہ سے وہ گم راہی کے راستے پر تھے یا راہِ حق سے بھٹک گئے تھے۔

شرک کی خوف نا کی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں یعنی مشرکین کو اطمینان دلاتا ہے کہ تم خدا کے ماننے والے ہو اور خدا کا انکارنہیں کرتے ہو۔لیکن مشرکین خدا کو مان کر اس کی ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں زندہ یا مردہ ہستی، ارواح یا مادی یا جان دار اشیا کو شریک مان کر شرک جیسے عظیم گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

برادران وطن سے انفرادی یا گروپ کی شکل میں ملاقات میں اور عام خطابات وغیرہ کے مواقع پر شرک کے بارے میں درج ذیل باتوں کے ذریعے سمجھا سکتے ہیں:

۱— کیا خالق کائنات نے بندوں کی ہدایت کے لیے نازل کردہ اپنی کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی بتایا ہے کہ اس نے کائنات اور تمام مخلوقات کو تنہا پیدا تو کردیا ہے لیکن اکیلا اس کا انتظام سنبھالنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا معاون خداؤں کی مدد سے وہ ساری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ کتابیں مقدس اور سچے انسانوں پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، جن کو پیغمبر اور نبی کہا جاتا ہے۔ان میں سے کسی نے بھی شرک کی تعلیم نہیں دی بلکہ خالص توحید اختیار کرنے پر زور دیا۔

۲— ایک اہم پہلو پر غور کیجیے۔ مشرکین ،موحدین اور اہل مذاہب سب تسلیم کرتے ہیں کہ خدا زندہ وجاوید ہستی ہے۔ آغاز سے ہے۔ پیدا نہیں ہوا نہ اس کے لیے موت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق ایک ہے، اس ایک کے سوا سب جان دار یا حیوانات، جمادات اور نباتات اس خالق کی تخلیق کردہ مخلوق ہیں۔ اس خالق نے زندگی عطا کی، ان سب کی موت پر وہ قدرت رکھتا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جن ہستیوں کو خدائی میں شریک کیا جاتا ہے وہ پیدا ہوتی

ہیں اور موت سے دو چار ہوتی ہیں۔یعنی اپنی پیدائش اور موت پر بھی ان کو کچھ اختیار نہیں۔ پھر یہ خدائی میں کیسے شریک ہوگئیں؟

۳— ایک خدا کے سوا جن کو بھی خدا تسلیم کر کے یا خدائی میں شریک بن کر ان کی پوجا و پرستش کی جا رہی ہے، ان شریکوں کی شکلیں مرد اور عورت کی ہیں یا کچھ جان داروں مثلاً مچھلی، کچھوا وغیرہ فرض کر لی گئی ہیں۔ کیا واقعی خدا ایسا ہی ہے؟ خدا کو کس نے دیکھا ہے؟ کیا خدا انسانوں اور کچھ جان داروں کی طرح اعضائے جسمانی رکھتا ہے؟ ان خداؤں کی طرف بہت ساری انسانی کمزوریاں منسوب کی گئی ہیں۔ بعض کتابوں میں اس سلسلے میں بہت سی حیا سوز داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان تمام کمزوریوں کے ساتھ یہ شریک یا انسانوں کے بنائے ہوئے خدا کیا لائق عبادت ہو سکتے ہیں؟ ان کی عبادت و اطاعت کیسے کی جا سکتی ہے؟

۴— عام حالات میں مشرکین دنیا میں اپنے تصورات کے تحت بنائے ہوئے بہت سارے خداؤں کو مان کر ان کی پوجا اور پرستش میں لگے رہتے ہیں، لیکن بڑی مصیبتوں اور آفتوں کے مواقع پر وہ ان سب کو بھول کر ایک اصلی اور حقیقی خدا کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت توحید ہے اور اس پر انسان کا دوام ہے۔ اس کی روح کی گہرائیوں اور پورے وجود میں ایک حقیقی خدا اور سچے معبود کا تصور جما ہوا ہے۔ اسی ایک معبودِ حقیقی سے مدد چاہنا، اپنی مشکلات اور پریشانیوں میں اسی کو پکارنا، اسی سے امیدیں اور آس باندھنا یہ انسان کی فطرت کا عین تقاضا ہے۔ اس کے برخلاف اسے چھوڑ کر اس کے خود ساختہ شریکوں کو پکارنا اور دعائیں مانگنا غیر فطری اور غیر عقلی عمل ہے۔ یہ ایک سراب کی طرح ہے جس میں کوئی شخص پانی کی تلاش میں مارا مارا دوڑتا رہے، مگر اس جگہ پہنچے تو ایک قطرہ پانی نہ ملے۔

۵— شرک دنیا میں جہاں جہاں پایا جاتا ہے، مشرکین نے خدا کے شریکوں کے نام الگ الگ رکھے ہیں۔ ان کی مختلف داستانیں بنا لی گئی ہیں۔ یہ تصورات ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ مثال کے طور پر خالقِ کائنات کے بارے میں بھارت، چین جاپان، مصر، یونان، روم اور افریقہ وغیرہ ممالک میں مختلف تصورات کے تحت مختلف تفصیلات ملتی ہیں۔ دنیا کے تمام مشرکین کے نزدیک خدا کی ذات و صفات ایک نہیں ہیں۔ سب کے

یہاں الگ الگ خیالات ہیں جو باہم مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد ہیں۔سوال یہ ہے کہ ان سب کے درمیان حقیقی خدا اور معبود کون ہے؟ یا کوئی نہیں ہے۔خدا اور معبودِ حقیقی تو وہی ہوسکتا ہے جو حقیقتاً ساری کائنات اور تمام مخلوقات کا اکیلا ہی خالق اور معبود ہے۔ دنیا کے مختلف مما لک میں اس کا نام الگ ہوسکتا ہے۔یعنی وہاں کی زبان میں اس کا نام پکارا جائے گا لیکن فی الواقع وہ ایک ہی ہستی ہوگی اور اس کی صفات یکساں ہوں گی۔

ان دلائل کے ساتھ مزید غور وفکر کر کے دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔قرآن کا طرز استدلال عقلی، تجرباتی اور سائنٹفک ہے۔قرآن سے استفادہ کر کے شرک کی تردید کے سلسلے میں داعی کو تیاری کرنا چاہیے۔

برادرانِ وطن کے بارے میں ایک اہم حقیقت یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے عقائد پر دلائل پر مبنی تبصرہ سے عموماً وہ ناراض نہیں ہوتے۔ان کی بڑی دلیل بالعموم یہ ہوتی ہے کہ باپ دادا کے زمانے سے وہ ان عقائد کو مانتے اور مذہبی رسوم کو ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ ان کے سامنے دلائل کی روشنی میں حکمت اور بصیرت کے ساتھ حقائق پیش کرنے کی ضرورت ہے۔دعوت کا کام کرنے والوں کو اس ملک کے کروڑوں برادرانِ وطن میں انبیائی مشن یعنی خالص توحید کی دعوت اور شرک کی تردید کے لیے اپنی زندگیوں کو کھپا دینا چاہیے۔ملک کی قدیم تاریخ دعوت کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہر دور میں سعید روحوں نے حق کو قبول کیا ہے۔

آواگمن یا پنر جنم [عقیدۂ تناسخ]

برادرانِ وطن بالعموم جن عقائد کو ہندو مذہب کے بنیادی عقائد تسلیم کرتے ہیں ان میں سے ایک زندگی بعد موت کے متعلق ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ انسان جب مر جاتا ہے تو اس کی روح زندہ اور باقی رہتی ہے، وہ مرتی نہیں۔انسان نے اپنی زندگی میں جیسے اعمال (کرم) کیے ہیں اسی کے لازمی نتیجے کے طور پر روح ایک نئے قالب (یونی) میں خود کو ڈھال لیتی ہے۔چنانچہ انسان ایک اچھا انسان بن کر پیدا ہوتا ہے یا برے اعمال کی وجہ سے جانور، پیڑ پودا، کیڑا مکوڑا، گھاس پھونس یا سبزی ترکاری بن کر جنم لیتا ہے۔پھر نئے جنم میں اچھے یا برے اعمال (کرموں) کی بنیاد پر مرنے کے بعد روح نیا قالب اختیار کر لیتی ہے۔اس طرح پیدائش ،

موت اور پھر پیدائش کا یہ سلسلہ(Cycle) چوراسی (۸۴) لاکھ مرتبہ ہوگا اور آخری بار انسان ایک اچھا انسان بن کر پیدا ہوتا ہے تو اسے نجات ملتی ہے۔نجات کی کیا صورتیں ہیں؟ایک تو یہ بتایا گیا کہ آتما جا کر پرماتما میں مل جائے گی۔دوسرا یہ کہ انسان سورگ یعنی جنت پائے گا۔یہی انسان کی ابدی نجات (مکتی یا موکش) ہے۔وہ بار بار پیدائش اور موت کے اذیت ناک سلسلے سے نجات پائے گا۔اسی سلسلے کو آواگمن یا پنرجنم کہتے ہیں۔اسے اس فلسفہ کی رو سے کرم(اعمال) کے نتائج کے متعین کرنے میں خدا کا کوئی رول نہیں ہے۔یہاں تک کہ انسان کے گناہوں پر معافی کے لیے توبہ کی گنجائش نہیں۔خدا کی جانب سے عفوودرگزر اور معافی کوئی تصور نہیں۔آواگمن کے اس فلسفے سے ذات پات کے نظام(ورن دیوستھا) کی تائید ہوتی ہے۔ویدوں میں پنرجنم (آواگمن) کے بجائے پنرجیون یعنی ایک ابدی زندگی کا تصور ملتا ہے۔ویدوں میں جنت کے مناظر بیان کیے گئے ہیں۔اسی طرح مختلف اعمال بد پر جہنم کے خوف ناک مناظر بیان کیے گئے ہیں۔ویدوں میں پتر لوک کا ذکر ہے یعنی ایک ایسی دنیا یا جگہ جہاں موت کے بعد آباواجداد کی روحیں رکھی گئی ہیں۔ویدوں میں تصور آخرت اسلام کے عقیدۂ آخرت سے کافی ملتا جلتا ہے۔

اس فلسفے کے سلسلے میں درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔دعوت کا کام کرتے ہوئے آپ برادرانِ وطن کو یہ باتیں سمجھا سکتے ہیں۔

۱– ویدوں میں یہ عقیدہ نہیں پایا جاتا۔ویدوں میں اعمال کی بنیاد پر جنت اور جہنم کا تذکرہ ملتا ہے۔یہ عقیدہ گیتا اور پرانوں میں پایا جاتا ہے۔۸۴لاکھ یونیوں کی تعداد کس نے مقرر کی ہے؟

۲– انصاف کا تقاضا ہے کہ جرم بتا کر سزا دی جائے۔جرم بتائے بغیر سزا دینا درست نہیں ہے۔آواگمن میں سزا پانے والے کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پچھلے جنم کے کس گناہ کی سزا پا رہا ہے۔

۳– گیتا اور پرانوں میں مختلف گناہوں اور جرائم مثلاً شراب نوشی، چوری، قتل اور جھوٹ وغیرہ کی سزائیں مذکور ہیں جو جہنموں میں دی جائیں گی۔آواگمن کے فلسفہ کی رو سے ان گناہوں اور جرائم کا نتیجہ اگلے جنم میں برآمد ہوگا۔یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔

۴– ایک سوال یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے نباتات، حیوانات اور دیگر اشیاء پیدا ہوئی ہیں یا انسان پہلے پیدا کیے گئے ہیں۔اگر جواب میں یہ کہا جائے کہ سب سے پہلے نباتات

اور حیوانات وغیرہ پیدا ہوئے ہیں تو یہ کن اچھے برے اعمال کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔کیوں کہ ان کی تخلیق کے وقت انسان نہیں تھا۔اگر جواب یہ ہے کہ پہلے انسان پیدا کیے گئے،تو پھر سوال یہ ہے کہ یہ کن اعمال کی وجہ سے پیدا کیے گئے۔اس طرح کے سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا۔

۵ – انسان روزمرہ کی زندگی میں کھانے پینے وغیرہ میں اناج،سبزیاں اور پھل پھول استعمال کرتا ہے،آواگمن کی رو سے ان کا وجود کسی نہ کسی انسان کے کرموں کا نتیجہ ہے تو پتہ نہیں کس پاپی یا گنہ گار کی جان ان پودوں میں ہے۔کیوں کہ اپنے کرموں کی وجہ سے اس کی روح نے یہ قالب سبزی، اناج اور پھل وغیرہ اختیار کرلیا۔آواگمن کے فلسفہ کی رو سے تو انسان کے لیے افضل یہی ہوگا کہ وہ روزمرہ کی زندگی میں ان سب اشیاء کے استعمال سے گریز کرے۔

٦ – آواگمن میں ۸۴لاکھ قالبوں (یونیوں) میں انسانی روح کا بار بار جانا اور واپس ہونا،یعنی پیدائش اور موت کا یہ چکر [Cycle] ایسا ہے کہ اس میں خدا کا کوئی رول ہے ہی نہیں۔نعوذ باللہ خدا گویا بے بس ہے کیوں کہ ہر انسان کے کرموں یعنی اچھے برے اعمال کی بنیاد پر وہ اگلے جنم میں لازماً نئی زندگی شروع کرتا ہے۔اس میں خدا دخل نہیں دے سکتا۔

۷ – آواگمن کی اس گردش (Cycle) میں خدا کسی گنہ گار کے گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔انسان اس جنم میں اگر گنہگار ہے تو موت کے بعد لازماً ان گناہوں کے نتیجے میں وہ اگلے جنم میں سزا پا کر رہے گا۔

۸ – آواگمن کے فلسفہ کے مطابق زندگی بسر کریں تو آپ کسی دوسرے انسان کے ساتھ ہمدردی، خدمت کا رویہ اور ضرورت مند کی مدد نہیں کرسکتے یا نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ وہ تو پچھلے جنم کے کرم کا پھل بھوگ رہے ہیں یعنی سزا پا رہے ہیں۔آپ پریشان حال،مصیبت زدہ اور غریبوں، بیواؤں کے کام آتے ہیں تو یہ دخل اندازی ہے جو آپ کو نہیں کرنی چاہیے۔

۹ – آواگمن کے فلسفہ کو ماننے کے نتیجے میں انسان کے لیے گناہ کرنا ضروری ہے کیوں کہ اسی کے بعد تو سبزیاں، دیگر ضرورت کی اشیاء پیدا ہوں گی اور انسان مرنے کے بعد گھاس پھوس، پیڑ پودا، پھل پھول بن کر پیدا ہوگا۔

۱۰ – تمام مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات ہے ، تنہا ہستی ہے جسے عقل

وشعور، غور وفکر، محدود آزادی، قبول یا انکار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ایسی ہستی کرموں کی بنیاد پر گدھا، کتا، بلی شیر یا چیتا بن جائے تو انسان کی مذکورہ خصوصیات سے محروم ہو کر اپنی مرضی اور اختیار سے اچھا یا برا عمل نہیں کرسکتا۔ خالق نے اس کے لیے جو ضابطہ عطا فرمایا ہے اس کے تحت مقصدِ تخلیق کو پورا کرتا ہے پھر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۱۱– قیامت یا پرلیہ کے قریب مرنے والوں کا کیا ہوگا؟ وہ ۸۴ لاکھ یونیوں میں جانہیں سکتے۔ اس طرح بچوں کا کیا ہوگا؟ جب کہ انہوں نے اچھے یا برے کام نہیں کیے ہوتے۔

آواگمن کا یہ فلسفہ انسان کو آخرت کی زندگی اور اپنے انجام کے بارے میں غیر ذمہ دار اور غیر سنجیدہ و بے فکر بنا دیتا ہے۔ کیوں کہ صرف ایک یونی یعنی قالب میں اوسطاً ۲ سال بھی بسر ہوں گے تو حساب دیکھ لیجیے ۸۴ لاکھ ×۲=۱۶۸ رلاکھ سال لگیں گے۔

آواگمن کے اس فلسفے کی برادرانِ وطن کے سامنے تردید دلائل کی روشنی میں کرنے کے بعد آپ اسلام کے عقیدۂ آخرت، اعمال کی باز پرس اور جنت وجہنم کے متعلق تفصیلات پیش کریں۔

آواگمن کے حق میں وہ کوئی وزنی دلیل پیش نہیں کرسکتے۔ دلیل محض یہ ہے کہ پوروجوں کے زمانے سے وہ اسے مانتے چلے آرہے ہیں اس لیے آج بھی مانتے ہیں۔

اسلام کے عقیدۂ آخرت کی تفصیلات پیش کرنے کے بعد وہ غور وفکر کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اس کی حقانیت ان کی سمجھ میں آتی ہے۔ عقلی، منطقی اور سائنٹفک بنیادوں پر آواگمن کا رد کرنا اور اسلامی عقیدۂ آخرت کی تفہیم مشکل نہیں ہے۔ برادران وطن کے ساتھ گفتگو اور تبادلۂ خیالات داعیانہ دردوسوز اور نرمی ومحبت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ان کے عقائد پر گفتگو کرتے ہوئے وہ محسوس نہ کریں کہ ان کی توہین کی جارہی ہے۔

اوتارواد

برادرانِ وطن کے مذہبی عقائد میں رسالت کا تصور نہیں ملتا۔ اس کے بجائے ان کا اعتقاد اوتارواد میں ہے۔ اوتارواد کا مطلب ہے کہ خدا (بھگوان) کا کسی جسم کو اختیار کر کے زمین پر نازل ہونا۔ خدا کو خود زمین پر نازل ہونے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ زمین پر جب ظلم وستم بڑھ جاتا ہے، مذہب مٹ جانے کے قریب ہوتا ہے اور دنیا

خرابیوں اور بے انصافی سے بھر جاتی ہے، تب خدا ان سب کو دور کر کے مذہب کے از سرِ نو احیا کے لیے خود ہی مادی روپ یا کوئی جسم لے کر دنیا میں نازل ہوتا ہے۔ یہ اوتار کہلاتا ہے اور اس کو تسلیم کرنا اوتار رواد کا سسٹم یا عقیدہ ہے۔

اوتاروں کی صحیح تعداد کے بارے میں مختلف رائیں پیش کی جاتی ہیں۔ بعض ماہرین کے نزدیک دس، بعض کے نزدیک چوبیس اور بعض کے نزدیک تیس سے کچھ زیادہ تعداد میں اوتار زمین پر آئے۔ آخری اوتار جن کا نام کلکی اوتار ہے کل جگ یعنی اس دور میں آنے والا ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ہندو مذہب کی اصل بنیاد چار ویدوں پر ہے۔ ویدوں میں اوتار واد نہیں پایا جاتا۔ البتہ دیگر کتابوں مثلاً پرانوں، گیتا اور اپنشدوں میں اوتاروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

اوتار کے بارے میں ڈاکٹر محمد احمد لکھتے ہیں:

> ''لفظ اوتار خود بتاتا ہے کہ اوتار کا مفہوم خدا کا زمین پر نازل ہونا یا اترنا نہیں ہے بلکہ اس لفظ کا صحیح مفہوم ''خدا کے ذریعہ زمین پر اتارا گیا'' ہوتا ہے اترنا نہیں۔ لفظ اوتار کا مفہوم از روئے قواعد بھی اتارا گیا ہی ہوتا ہے۔ مشہور ماہر لغت اور شارح پانِنی نے سنسکرت گرامر کی اپنی سب سے مشہور تصنیف ''اشٹا بھیائی'' (3—3—120) میں اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: نیچے اتار گیا۔'' (اوتار واد اور رسالت، ص ۱۰)

آگے چل کر ڈاکٹر محمد احمد مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہندو مذہب کے معروف محقق ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے کا بھی یہی خیال ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خدا خود اوتار بن کر نہیں آتا بلکہ وہ دنیا کی خرابیوں کو دور کرنے اور معاملات زندگی کی اصلاح کرنے کے لیے اپنے نبی اور رسول کو بھیجتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم انہیں اوتار کہہ سکتے ہیں۔'' (اوتار واد اور رسالت، ص ۱۱)

برادرانِ وطن آغاز ہی سے جن تین خداؤں کو مانتے ہیں وہ برہما (خالق) وشنو (پالن ہار) اور مہیش (قیامت برپا کرنے والا) ہیں۔ وشنو ہی کے زیادہ تر اوتار تسلیم کیے گئے ہیں۔ دیگر خداؤں کے بھی اوتار مانے گئے ہیں لیکن سب سے زیادہ اوتار وشنو کے ہیں۔ ان اوتاروں میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱— نارائن ۲— متیہ ۳— ہنس ۴— وامن ۵— پرشورام

۶— موہنی ۷— نرسنگھ (آدھا جسم شیر اور آدھا انسان) ۸— ویدویاس

۹— رام ۱۰— بلرام ۱۱— کرشن ۱۲— بدھ

اوتار واد کا مختصر تعارف آپ کے سامنے ہے۔اس پر چند سوالات کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۱— اوتار واد کا عقیدہ ویدوں میں نہیں ہے۔ ہندو دھرم میں اس کو باہر سے لاکر شامل کرلیا گیا۔ویدوں میں خدا کا جو تعارف کرایا گیا ہے اس کے مطابق خدا ہر عیب سے پاک ہے۔ وہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز کا خالق ہے۔وہ صورت شکل نہیں رکھتا۔مادی جسم سے پاک ہے۔

لیکن اوتار کے تصور میں تمام کمزوریاں خدا کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ذرا سوچیے کہ خالق کائنات کا یہ کتنا پست اور توہین آمیز تصور ہے کہ وہ کسی مرد کا نطفہ بن کر کسی خاتون کے رحم میں حمل کا زمانہ پورا کرکے بچہ بن کر پیدا ہو۔بچپن اور جوانی کے مراحل سے گزرے جو کسی انسان کی زندگی میں ہوسکتے ہیں۔پھر انسانی سماج میں مذہب کے احیا،ظلم وستم کے خاتمے اور برائیوں کو ختم کرکے پھر سے خدا بن جائے۔کیا خدا کی عظمت اس تصور کی اجازت دیتی ہے کہ وہ مچھلی،سور اور نرسنگھ کا اوتار لے کر پیدا ہو۔عقل وشعور اور قوت فیصلہ سے عاری یا محروم یہ حیوانات،انسان جیسے اشرف المخلوقات کے بگاڑ وفساد کی اصلاح کریں گے؟

۲— دوسرا سوال یہ ہے کہ خدا کی جو صفات مذہبی کتابوں میں بتائی گئی ہیں،خدا کی عظمت اور شان کا جو تصور پایا جاتا ہے،اوتار واد کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ خدا خود آکر یہ سب کام کرکے چلا جاتا ہے تو وہ انسان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا۔ انسانوں کے لیے نمونہ تو انسان ہی ہوسکتا ہے۔اس سلسلے میں ویدوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے خدا نے انسانوں میں سے منتخب کرکے پیغمبر اور نبی بنا کر بھیجا۔مثال کے طور پر پنڈت وید پرکاش اپادھیائے نے ویدوں کے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے نراشنس اور انتم رشی (پیغمبر) کی تشریف آوری کی پیش گوئی آئی ہے اور یہ حضرت محمدؐ ہیں۔نراشنس کی جو خصوصیات ویدوں میں بتائی گئی ہیں وہ صرف حضرت محمدؐ پر پوری اترتی ہیں۔یہی کلکی اوتار (آخری رشی) ہیں۔ویدوں کے مطابق یقیناً پیغمبروں کا سلسلہ رہا ہوگا۔اب تقریباً ساڑھے تین یا چار ہزار سال کے طویل عرصے میں تحریفات کے نتیجے میں ان

کتابوں میں پیغمبروں کا تذکرہ نہیں ملتا۔

۳– ایک اور سوال پر غور کیجیے۔ صرف اوتار کے زمین پر آجانے سے مسئلہ حل نہیں ہوجاتا۔ کتاب ہدایت کا نزول بھی ضروری ہے۔ اوتار کے چلے جانے کے بعد ہدایت اور رہ نمائی اسی کتاب سے انسانوں کو برابر ملتی رہے گی۔ ویدوں کا نزول اگر وہ الٰہی کلام ہیں تو کن ہستیوں پر ہوا۔ اوتار کے عقیدے کو تسلیم کرتے ہیں تو کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ کتاب ہدایت مچھلی، کچھوا نرسنگھ اور ہنس وغیرہ پر نازل ہوئی ہوگی۔

غرض یہ کہ اوتار رواد کا فلسفہ عقلی و نقلی دلائل، سائنٹفک اور منطقی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔ اس کے بالمقابل اسلام کا عقیدۂ رسالت اور ختم نبوت ہر اعتبار سے صحیح ہے۔ برادران وطن سے گفتگو اور ان کے پروگراموں میں اظہار خیال کے موقع پر یہ باتیں سمجھانا چاہیے۔ البتہ ان کے عقائد کی توہین اور تحقیر آمیز رویہ درست نہیں ہے۔ قرآن نے اس سے منع کیا ہے۔

دعوت کا کام کرنے والوں کا یہ تجربہ ہے کہ برادرانِ وطن کو جب بھی دلائل کے ساتھ یہ باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو وہ سنتے ہیں۔ بتانا چاہیے کہ حق اور سچائی کی تلاش ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ پوروجوں تک غالباً یہ حقائق پہنچ نہیں سکے تھے۔ اس لیے ان کا حوالہ دے کر خود کو حق سے محروم کر لینے میں فائدہ کچھ نہیں نقصان ہی نقصان ہے۔

غرض یہ کہ آواگمن اور اوتار رواد کے بالمقابل برادرانِ وطن کو اسلام کے عقیدۂ آخرت، عقیدۂ رسالت اور ختم نبوت سے واقف کرانا چاہیے۔

فریضۂ دعوت

دعوت، نماز، روزہ اور دیگر فرائضِ اسلام کی طرح ایک اہم فریضہ ہے۔ یہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ نماز، روزہ اور دیگر فرائض کو ادا کرنے کے لیے جس طرح مسلمان پابند ہیں اسی طرح وہ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے بھی پابند ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس فریضہ کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح ترک نماز کے بعد، نماز کے فائدوں کو حاصل نہیں کیا جاسکتا، روزہ کو ترک کرنے کے بعد تقویٰ، تزکیۂ روحانی اور اخلاقی ارتقاء ممکن نہیں، اسی طرح دعوت کو ترک کرنے کے بعد، اس کی ادائیگی سے حاصل ہونے والے دنیوی فائدوں، برکتوں اور

اخروی کام یابیوں کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اتنا ہی نہیں، دنیا میں ترکِ دعوت کے وبال اور مہلک نتائج سے بچنا ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضی اور باز پرس سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس ضمن میں قرآن مجید کے ارشاد پر غور فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝۱۵۹ (البقرہ:۱۵۹)

''جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، دراں حالیکہ ہم انھیں سب انسانوں کی رہ نمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔''

دعوت کی تاکید رسول اکرم ﷺ نے بھی فرمائی ہے۔ آپؐ کا دعوتی اسوہ کتبِ سیرت اور کتبِ احادیث میں محفوظ ہے۔

دعوت کے ضمن میں قرآن اور حدیث کی تعلیمات پر عمل کر کے صحابہ کرامؓ نے واضح نمونہ بعد والوں کے لیے چھوڑا ہے۔ تابعین اور تبع تابعین کی پاکیزہ زندگیوں میں دعوت کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ چنانچہ ۲۵ صحابہ کرامؓ اور ۸۰ تابعین عظام بھارت کے مختلف حصوں میں تشریف لائے۔ دنیا کے بیش تر ممالک، قوموں اور آبادیوں میں اسلام دیکھتے ہی دیکھتے پھیل گیا۔ کوئی پہاڑ، صحرا اور سمندر اس دعوت کو روک نہ سکا۔ بڑی بڑی سلطنتیں صدیوں سے جمی ہوئی تھیں، لیکن وہ اس دعوت کو روک نہ سکیں۔ اس کی یلغار کے نتیجے میں ایمان، خدا پرستی، صلۂ رحمی، انسان دوستی، اخلاق اور روحانیت کی بہار آئی۔ انسانیت کا باغ لہلہا اٹھا۔ ظلم وستم، کفر وشرک، الحاد، بے انصافی، جنگ وجدال کے طوفانی بادل تھم گئے۔ عدل وانصاف قائم ہوا۔ خیر وبھلائی اور امن وامان کی حکمرانی قائم ہوئی۔ ایک چھوٹے سے شہر مکہ اور چھوٹے سے ملک عرب سے نکل کر یہ دعوت ایک عالم گیر اور آفاقی دعوت بن گئی اور اس کے ماننے والے محض عرب قوم نہیں رہے، بلکہ ایک عالم گیر وآفاقی امت وجود میں آئی۔ صحابہؓ دعوت کی بنیاد پر ایک سپر پاور بن گئے۔ دنیا کی مختلف قوموں اور قبیلوں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے انسان ایک عالمی برادری کے پیکر میں ڈھل گئے۔ جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ دعوت

وحدتِ الٰہ، وحدتِ دین اور وحدتِ انسان کی مضبوط بنیادوں پر دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ہی وحدت کی لڑی میں پرو دیتی ہے۔

مسلمانوں کی حیثیت ایک داعی امت کی ہے۔ دعوت ان کا فرض منصبی ہے۔ نبوت کے بعد سب سے اونچا درجہ دعوت کا ہے۔ پیغمبروں اور نبیوں کو دعوت کی ترسیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں میں بھیجا تھا۔ ان مقدس اور پاکیزہ ہستیوں کی بعثت کا دوسرا اہم مقصد ظلم وستم کا خاتمہ اور عدل وانصاف کا قیام تھا۔ یہ مقصد دعوت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ شرک، الحاد، کفر اور بڑے بڑے سماجی جرائم، مثلاً شراب، زنا، جوا اور دختر کشی وغیرہ کا خاتمہ صرف دعوت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ دعوت کا یہ نسخہ اللہ رب العالمین کا عطا کردہ ہے۔ حضرت محمدؐ نے اس پر عمل کر کے عرب میں انقلاب برپا فرما دیا۔ محض تیئیس (۲۳) سال کی مختصر مدت میں یہ انقلاب، جس کے اثرات صدیوں سے آج تک برابر جاری وساری ہیں، دعوت ہی کے ذریعہ برپا ہوسکا تھا۔

دعوت کا محرک

دعوت کا حقیقی محرک صرف رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا حصول ہے۔ داعی دعوت کے ذریعہ ہدایت سے محروم انسانوں تک ہدایت پہنچا کر انھیں جہنم کی خوف ناک آگ سے بچانے کی تڑپ رکھتا ہے۔

دعوت کے اس پاکیزہ محرک کے علاوہ کوئی اور محرک نہیں ہونا چاہیے۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ دعوت سے مسلمانوں کی تعداد بڑھانی مطلوب ہے، جب کہ بعض دوسرے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دعوت کے نتیجے میں مسلمانوں کو دوبارہ اقتدار حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ اور اسی طرح کے دیگر محرکات صحیح نہیں۔ تاریخ میں ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کہ دعوت پیش کی گئی تو سب نے قبول کرلیا۔ انکار کرنے والے ہر دور میں پائے جاتے رہے۔ کبھی کبھی تو پوری کی پوری آبادی اور قوم نے دعوت کا انکار ہی نہیں کیا، بلکہ اس کی شدید مخالفت کی۔ دعوت کا اصل محرک دنیوی فائدے نہیں، اگرچہ دعوت کے بہت سے ضمنی فائدے ہیں۔

دعوت کے محرک کے ضمن میں درج ذیل حدیث پر غور کریں، تاکہ یہ اہم نکتہ اچھی طرح واضح ہوجائے:

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے... رسول اللہ ﷺ کے سامنے قریشی لیڈروں نے پیش کش کی کہ آپؐ مال، قیادت اور اقتدار قبول کر کے اس دعوت سے دست بردار ہو جائیں، آپ نے جواب میں فرمایا: ''مجھے اس چیز کی قطعاً حرص نہیں ہے جو تم پیش کر رہے ہو۔ جو دعوت میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اس کا یہ مقصد ہر گز نہیں ہے کہ میں مال جمع کرنا چاہتا ہوں، یا شرف و عزت کا طالب ہوں، یا تم پر حکومت و اقتدار کا بھوکا ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس نبی بنا کر بھیجا اور کتاب اتاری، اس نے مجھے حکم دیا کہ میں غلط نظام زندگی کے عواقب اور نتائج سے آگاہ کر دوں اور جو لوگ مان لیں انہیں کام یابی کی خوش خبری دوں۔ تو میں نے اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیے اور خیر خواہی سے سمجھایا۔ اگر تم میری دعوت کو اپنا لو تو یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔'' (مولانا جلیل احسن ندویؒ، سفینۂ نجات، صفحہ ۱۶۴)

دعوت اسلامی کا جامع تعارف

دعوت اسلامی دنیا اور آخرت دونوں پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں بالعموم جن نظریات، فلسفوں اور مذاہب کی دعوت انسانوں کو دی گئی وہ ہمیشہ نامکمل، ناقص اور ادھوری رہی ہے۔

مولانا جلیل احسن ندویؒ دعوت اسلامی کا جامع تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایرانی سپہ سالار اور اس کے فوجی کمانڈروں کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے کہا: ہم تاجر لوگ نہیں ہیں، ہمارا مقصد اپنے لیے نئی منڈیاں تلاش کرنا نہیں ہے، ہمارا نصب العین دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہے، صرف آخرت۔ ہم حق کے علم بردار ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو بلانا ہمارا مطمح نظر (مقصد) ہے۔ یہ سن کر رستم نے کہا: وہ دین حق کیا ہے؟ اس کا تعارف کراؤ۔ تب مغیرہؓ نے فرمایا: ہمارے دین کی بنا اور مرکزی نقطہ، جس کے بغیر اس دین کا کوئی جز ٹھیک نہیں ہوتا، یہ ہے کہ آدمی اس حقیقت کا اعلان کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (مطلب یہ کہ توحید کو اپنائے اور محمد ﷺ کی رسالت، قیادت اور رہ نمائی تسلیم کرے) ایرانی سپہ سالار نے کہا کہ یہ تو بہت اچھی تعلیم ہے۔ کیا اس دین کی کچھ اور تعلیم بھی ہے؟ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا: اس دین کی تعلیم یہ بھی ہے کہ انسانوں کو انسان کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لایا جائے۔ ایرانی سپہ سالار

نے کہا: یہ بھی اچھی تعلیم ہے۔ کیا یہ تمہارا دین کچھ اور بھی کہتا ہے؟ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا: ہاں ہمارا دین یہ بھی کہتا ہے کہ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں، پس وہ سب کے سب آپس میں بھائی ہیں، سگے بھائی، ایک ماں باپ سے پیدا!!

اسی سپہ سالار کے سامنے حضرت ربعی بن عامرؓ نے اپنے مقصد کی ترجمانی ان الفاظ میں کی: ''اللہ نے ہم کو اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ جن کو توفیق دے انہیں ہم انسانوں کی بندگی سے نکالیں اور اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر وسیع وکشادہ دنیا میں لائیں اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کے سائے میں بسائیں، پس اللہ نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کے پاس بھیجا ہے، تا کہ ہم لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلائیں۔''

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اسلام میں حقوق العباد کا دائرہ پوری نوع انسانی پر پھیلا ہوا ہے۔ دوسری اہم بات وہ ہے جس کا اعلان حضرت ربعی بن عامرؓ نے کیا ہے، وہ یہ کہ امت مسلمہ کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکالے اور اسلام کا نظام عدل قائم کرے، تا کہ ظلم وجور کی ماری ہوئی دنیا نظامِ عدل کے سائے میں امن وسکون سے رہ سکے۔'' (سفینۂ نجات، ص ۱۶۹۔۱۷۰)

سماجی بگاڑ اور اخلاقی خرابیوں کا حل

دعوتِ اسلامی کا جامع تعارف آپ کے سامنے آچکا ہے۔ غیر مسلموں کے سامنے جب کبھی اسلام کا تعارف کرانے کا موقع ملے تو توحید اور اس کے عملی تقاضے سمجھائیں، رسالت اور عقیدۂ آخرت کا تعارف کرائیں۔ ان بنیادی عقائد کے، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اس بات کو سمجھانا ضروری ہے۔

دعوتِ اسلامی کو پیش کرنے کا موثر طریقہ ہے سماجی بگاڑ اور اخلاقی خرابیوں پر تنقید اور دعوت کو اس کے واحد حل کے طور پر پیش کرنا۔ ہم انبیا کرامؑ کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی دعوتی کوششوں میں اس کا ذکر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ یعنی وہ اپنی قوم کے اندر پائی جانے والی سماجی اور اخلاقی خرابیوں پر کھل کر تنقید کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، اس کی کامل بندگی اختیار کرنے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اپنی (یعنی پیغمبر کی) اطاعت کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ بگاڑ کو دور کرنے اور سماجی واخلاقی خرابیوں کی اصلاح کا یہ انبیائی

نسخہ کام یاب ترین نسخہ تھا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ دنیا میں کام یاب نہیں ہوا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اسلام کے سوا کیا کوئی مذہب یا نظریہ ایسا پایا جاتا ہے، جس نے انسانی سماج کے سنگین مسائل کو حل کیا ہو اور برائیوں کا خاتمہ ہوا ہو؟

چند انبیاؑ کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے، تا کہ اس نکتہ کی اچھی طرح وضاحت ہو سکے۔

حضرت صالحؑ کی دعوتی کوششوں کا تذکرہ قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿٤٨﴾ (النمل۔۴۸)

''اور اس شہر میں نو (۹) جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور کوئی اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔''

یعنی حضرت صالحؑ کی قوم میں فساد برپا تھا۔ امن وامان رخصت ہو چکا تھا۔ حضرت صالحؑ نے قوم کو توحید اختیار کرنے، شرک سے باز آنے، اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنی اطاعت کرنے کی دعوت دی۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی مادی خوش حالی عطا کی تھی اور اسے نعمتوں سے نوازا تھا۔ پیغمبر کی دعوت کے جواب میں قوم نے سرکشی کی، چنانچہ اللہ کا عذاب آیا اور قوم ثمود، جس میں حضرت صالحؑ دعوت کا کام کر رہے تھے، صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی۔

حضرت لوطؑ جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وہ ہم جنسیت، رہ زنی اور مجلسوں میں کھلی بدکاری میں مبتلا تھی۔ حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، شرک کی خرابی اور اس کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنی اطاعت کرنے کی طرف بلایا۔ ساتھ ہی انہوں نے قوم کی اخلاقی حالت پر شدید تنقید کی۔ قرآن مجید میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ (العنکبوت:۲۹)

''کیا تمہارا حال یہ ہے کہ تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہ زنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔''

حضرت شعیبؑ کی قوم مدین کے ایک نہایت زرخیز اور سرسبز اور شاداب علاقے میں

آباد تھی۔معاشی خوش حالی کے عروج پر تھی،لیکن شرک کی بنیادی خرابی کی وجہ سے اس کے اندر تجارتی بے ایمانی، رہ زنی اور ناجائز خراج کی وصولی جیسی بڑی بڑی خرابیاں موجود تھیں۔قرآن نے ان کی خرابیوں پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾

(الاعراف:۸۵)

”اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔اس نے کہا: اے برادران قوم !اللہ کی بندگی کرو۔اس کے سوا کوئی تمہارا خدا نہیں ہے۔تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح رہ نمائی آ گئی ہے،لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔اس میں تمہاری بھلائی ہے، اگر تم واقعی مومن ہو۔“

حضرت شعیبؑ کی قوم نے ان کی دعوت کو جھٹلا دیا اور بڑے تکبر اور رعونت کا مظاہرہ کیا، بلکہ اپنے پیغمبر سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا۔ بالآخر اللہ کا عذاب آ گیا اور قوم تباہ و برباد کر دی گئی۔

انبیاء کرام کی دعوتی کوششوں کا یہ سلسلہ طویل ہے۔آخر میں حضرت محمدؐ کی دعوتی کوششوں کو دیکھیے۔

نبوت سے پہلے حضرت محمدؐ اپنی قوم کی خرابیوں اور بدحالی پر کڑھتے تھے،اس ماحول سے دور رہ کر غور وفکر کرتے۔حق کی طلب اور جستجو میں غارِ حرا کی تنہائیوں میں کئی کئی دن بسر کرتے تھے۔نبوت ملنے کے بعد آپؐ نے اپنی قوم کو شرک اور اس کی ہلاکت خیزی پر متنبہ کیا، سماج میں پائی جانے والی خرابیوں پر تنقید فرمائی اور اصلاح کی دعوت دی۔جن بڑی بڑی سماجی خرابیوں اور اخلاقی بگاڑ پر آپ نے تنقید فرمائی وہ درج ذیل ہیں:

- شرک اور بت پرستی ● انسانی حقوق کی پامالی ● ظلم و ستم ، بالخصوص عورتوں، کم زوروں، یتیموں اور غلاموں پر ● شراب، جوا، سود ● زنا ● لڑکیوں کو پیدائش پر زندہ گاڑ دینا

• قتل وغارت گری • ڈاکہ زنی اورلوٹ ماروغیرہ • بدامنی اورفساد

آج کے دورمیں بھی شرک جیسی بنیادی خرابی کے ساتھ دیگر سماجی برائیاں موجود ہیں اوراخلاقی بگاڑ نہ صرف پایا جاتا ہے، بلکہ اس میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ آج کا دوراس لحاظ سے ممتاز ہے کہ ماضی کے برعکس آج تعلیم عام ہے، سائنس اورٹیکنالوجی عروج پر ہے۔ علوم وفنون بلندی پر پہنچ چکے ہیں۔ قانون موجود ہے، عدالتیں کام کررہی ہیں، جیل اور پولیس کا نظام ہے، لیکن ان سب کے باوجود انسانی زندگی زبردست بحران سے دوچار ہے۔ کوئی حل کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ تعلیم، قانون اورعدالتوں کی ضرورت مسلم ہے لیکن اس کے باوجود عدل قائم نہیں ہورہا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی دعوت کا نمونہ آپ کی سیرت مبارکہ میں محفوظ ہے۔ آپ نے عرب میں پائی جانے والی برائیوں اور بگاڑ کے خاتمے کے لیے توحید کی دعوت بلند کی۔ آپ نے کہا کہ اللہ کو معبود وحدہ لاشریک تسلیم کرو، اس کی کامل بندگی اختیار کرو، اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اوراس کے دیے ہوئے قانون زندگی پر عمل کرو، تم اس دنیا اورآخرت دونوں جہاں میں فلاح یاب ہوگے۔

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ اسی دعوت کے ذریعہ سے آپ ایک پرامن صالح انقلاب لے آئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عرب میں اس دور کی پائی جانے والی برائیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ امن وامان، صلہ رحمی اور عدل وانصاف قائم ہوا۔ خوش حالی اورترقی کے نتیجے میں عامۃ الناس کو فائدہ ہوا، کوئی فرد محروم نہیں رہا۔

اس سلسلے میں لوگوں سے گفتگو کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ داعی کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بالعموم لوگ ملاقاتوں اوراپنی مجلسوں میں حالات کے بگاڑ، سنگین مسائل اوراخلاقی خرابیوں پر تنقید کرتے ہیں اورسماج کا ہر فرد خرابیوں سے نئی نسل کے متاثر ہونے کا رونا روتا ہے، لیکن غیرمسلموں کی گفتگو میں حل کے طور پر نئے قانون سازی، نئے ضابطے اورتعلیم کے فروغ وغیرہ تدابیر کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن آج قانون کی کوئی کمی نہیں۔ تعلیم عام ہے مزید عام ہوتی جارہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی اصلاح دور دور تک ہوتی نظر نہیں آتی، یہاں تک کہ بعض جرائم اورخرابیوں میں پڑھے لکھے لوگ زیادہ ملوث ہیں۔ ایسے مواقع پر غیرمسلموں کے سامنے داعی، حکمت

اور داعیانہ درد و سوز کے ساتھ اپنی بات پیش کرے۔ اللہ وحدہ لاشریک کی ہستی پر ایمان اور آخرت میں اعمال کی باز پرس کے یقین کی دعوت دے۔خوف خدا ہی کے نتیجے میں فرد اور معاشرہ کی حقیقی اصلاح ممکن ہے۔غور کیجیے کہ عرب کے اس اسلامی معاشرے میں ایک شخص سے زنا کا جرم سرزد ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دیکھنے والی ہستی نہیں۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار کر کے درخواست کرتا ہے کہ اسے اسی دنیا میں سزا دے کر پاک کر دیا جائے۔ وہ اپنے خدا کے سامنے اس جرم کا داغ لے کر حاضر ہونا نہیں چاہتا۔اسی طرح اس معاشرے کی ایک خاتون زنا کی مرتکب ہوتی ہے۔ وہ حضورؐ کے سامنے خود حاضر ہو کر درخواست کرتی ہے کہ اسے سزا دے کر پاک کر دیا جائے۔ وہ بتاتی ہے کہ وہ حاملہ ہو چکی ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ وضع حمل کے بعد آئے۔ وہ آتی ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ بچے کے دودھ چھڑانے کے بعد آئے۔ وہ پھر آجاتی ہے۔ اس کے لیے اس دوران فرار ہونا بہت آسان تھا، لیکن وہ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے توبہ کی۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسے انسان پائے گئے ہیں۔ کوئی پولیس، سی آئی ڈی، فوج ان کے پیچھے نہیں ہے، لیکن اہل ایمان کو یقین تھا کہ کوئی جرم ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ وہ اس کی ناراضی اور غضب سے ڈرتے تھے اور اس کی رضامندی اور خوش نودی کے لیے جرم کی سزا کے لیے خود کو رضا کارانہ پیش کرتے ہیں۔ دعوت اسلامی کے سوا کوئی دوسری تدبیر ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے ایسی سیرت اور کردار کے انسان پیدا ہوں۔

غرض یہ کہ حضرت محمد ﷺ نے دعوتِ حق کی بنیاد پر عرب کی جاہلیت قدیمہ کے گھٹا گھوپ اندھیروں میں نئے انسان، نئے خاندان اور نئے معاشرہ کو وجود بخشا۔ آج بھی جاہلیت جدیدہ کے اس دور میں اگر کوئی فرد، خاندان اور معاشرے میں خوش گوار تبدیلی چاہتا ہے تو اسے دعوتِ حق کا سہارا لینا پڑے گا۔

اسلام کی امتیازی خصوصیات

اب ہم اسلام کی بعض امتیازی خوصیات کا تذکرہ کرنا چاہیں گے۔ ایک داعی کے لیے ان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ دعوتی گفتگو میں وہ ان کا حوالہ دے سکتا ہے۔ مذاہب کے تقابلی مطالعہ میں یہ معلومات معاون ثابت ہوں گی۔ اسلام کی بعض امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں:

● اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ ● اسلام محفوظ دین ہے۔ ● اسلام مکمل نظامِ زندگی ہے۔ ● اسلام تضاد سے پاک ہے۔ ● اسلام عالم گیر اور آفاقی دین ہے۔ ● اسلام معتدل اور متوازن ہے۔ ● اسلام عقلی دین ہے۔ ● زندگی کے بنیادی سوالات کا اسلام جواب فراہم کرتا ہے۔ ● اسلام میں پروہت واد (Priesthood) نہیں ہے۔ ● اسلام انسانی زندگی کے مسائل کا واحد حل ہے۔ ● اسلام کا عملی نمونہ تاریخ میں محفوظ ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام بنیادی خصوصیات کا حامل ہے۔ وہ اپنے نظریہ، اصول، تعلیمات اور اقدارِ حیات کے لحاظ سے مکمل ہے۔ اسلام کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ عام معنوں میں محض مذہب نہیں۔ وہ ایک جامع اور انقلابی دین ہے۔ نظریات، ایمانیات، عبادات، اخلاق، معاملات زندگی، تعلیم، سماجیات، تہذیب وتمدن، سیاست، معاشیات اور ثقافت، تمام شعبہ ہائے زندگی کے متعلق اسلام نے جامع اصول اور تعلیمات کی طرف رہ نمائی کی ہے۔ ان اصولوں اور تعلیمات پر چل کر انسان انفرادی واجتماعی زندگی کی تعمیر وترقی اور روحانی ارتقا کے راستے پر گام زن ہوسکتا ہے۔ دنیا ہی نہیں اس کی اخروی زندگی بھی سنور سکتی ہے اور جہنم کے عذاب سے نجات حاصل کر کے اپنے خالق کی خوش نودی سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔

اسلام ایک ہمہ جہت اور کامل نظامِ زندگی ہے۔ اپنے پیروؤں سے پوری زندگی میں خدا کی اطاعت اور اس کے احکام کی پیروی کا مطالبہ کرتا ہے۔ زندگی ایک کُل ہے۔ اس کو الگ الگ خانوں میں بانٹا نہیں جاسکتا۔ ایسا نہیں کہ زندگی کے کسی شعبہ میں اللہ کی عبادت اور فرماں برداری کی جائے اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اللہ کی نافرمانی اور بغاوت کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اللہ کی بندگی کے ساتھ دوسروں کی بندگی کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ انسان ایک ہی وقت میں دو کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اسلام کے حصے بخرے بھی نہیں کیے جاسکتے۔ اسے پورا پورا اختیار کر کے زندگی بسر کرنا ضروری ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان کی دنیوی زندگی میں امن وامان، سکون اور مسرت بھی حاصل ہوگی، عدل وانصاف بھی قائم ہوگا۔ خوش حالی اور روحانی واخلاقی ترقی بھی ہوگی اور انسان آخرت کی ابدی زندگی میں بھی کام یاب ہوگا۔ اس لیے قرآن میں کہا گیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ شیطان کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

دعوت کا کام کرنے والوں کو اسلام کے اس وصف کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے مقابلے میں جو امتیازی خصوصیات اسلام میں پائی جاتی ہیں، ان کا شعور بھی انہیں ہونا چاہیے۔ اسلام ہر انسان کا یہ بنیادی حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ جس عقیدہ اور نظریہ کو چاہے قبول کرے۔ اسلام عقیدہ ودین کے اختیار کرنے میں جبر اور زور زبردستی کے خلاف ہے۔ اسلام کی بعض امتیازی خصوصیات کا تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔

اسلام اللہ کا اتارا ہوا دین ہے

اسلام کی سب سے پہلی اور اہم خصوصیت اس کا من جانب اللہ ہونا ہے۔ موجودہ مذاہب کے بارے میں جب کبھی گفتگو ہوتی ہے تو پہلا سوال اس کے بانی کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً شنٹوازم، بدھ مت یا جین مت کا بانی کون ہے؟ ہر مذہب کا کوئی نہ کوئی بانی ہے، یا پھر وہ مذہب صحیح یا غلط طور پر کسی شخصیت سے منسوب کیا جاتا ہے، مثلاً عیسائیت کو

حضرت عیسیٰؑ کی طرف غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے۔کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ وہ حضرت آدمؑ سے حضرت محمدؐ تک انبیاؑ کے سلسلے کی ایک کڑی تھے۔تمام انبیاؑ نے ایک ہی دعوت دی تھی کہ لوگ اللہ کی مکمل بندگی کریں اور غیر اللہ کی بندگی نہ کریں۔کسی پیغمبر یا نبی نے اپنی طرف سے کوئی مذہب بنا کر لوگوں کو اس کی طرف نہیں بلایا۔آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے بھی لوگوں کو یہی بتایا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی نیا دین اور نئی تعلیم پیش نہیں کر رہے ہیں، بلکہ پچھلے پیغمبروں اور نبیوں نے جس دین حق کی دعوت دی تھی وہی دعوت وہ پیش کر رہے ہیں۔

اسلام کے دو معنی ہیں: ایک امن (شانتی) دوسرے Submission یا خدا کی مرضی کے آگے مکمل خودسپردگی (Surrender) کرنا۔پیغمبر اور انبیاؑ مختلف قوموں،نسلوں اور ملکوں میں بھیجے گئے تھے۔قوم کی زبان جو بھی رہی ہو اس کے لیے جو دین دیا گیا وہ حقیقت میں اسلام ہی تھا۔ خود اسلام کا اپنے بارے میں کھلا اعلان ملاحظہ کریں:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ (آل عمران:۱۹)

”اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۸۵ (آل عمران:۸۵)

”اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔“

غیر مسلموں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ انسان مادہ اور روح کا مجموعہ ہے۔ان دونوں کی ضرورتیں اور تقاضے ہیں، جن کی تکمیل انسان کی شخصیت کی متوازن اور ہمہ جہت تعمیر، اس کے تحفظ اور ارتقا کے لیے ضروری ہے۔ہم جانتے ہیں کہ حیات اور کائنات کا ایک خالق ہے۔وہ مخلوق سے بے حد محبت کرنے والا ہے، جیسا کہ ہر انسان کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے۔اس نے ہر مخلوق کی حیثیت کے موافق اس کی مادی اور جسمانی حاجت روائی کا سامان کیا ہے۔اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو اس کی مادی اور طبعی ضرورتوں کے پیشِ نظر ہوا، بارش کا پانی، سورج اور چاند،

جنگل، پہاڑ، دریا اور سمندر وغیرہ پیدا کیے۔ یہ بہترین انتظام تھا جو وہی کر سکتا تھا۔ اللہ کے علاوہ کوئی دوسری ہستی یہ نظم کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ اسی طرح انسان کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے اپنی طرف سے بہترین ہدایت اور تعلیمات سے انسانوں کو نوازا۔ اس کے لیے رسالت کا ایک پورا سلسلہ اس نے قائم کیا۔ دنیا کی تاریخ میں وہ نیک، برگزیدہ اور پاکیزہ ہستیاں مختلف ادوار اور مختلف قوموں میں مبعوث ہوئیں اور یہ سلسلہ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر جا کر ختم ہوا۔ تمام پیغمبروں اور انبیاؑ نے اللہ کی اطاعت یعنی اسلام کی دعوت انسانوں کو دی۔ اللہ نے انسانوں کو نہ تو مذہب ایجاد کرنے کی ذمہ داری سونپی اور نہ اس نے متعدد مذاہب اپنی جانب سے شروع کیے کہ ان میں سے کسی بھی مذہب پر عمل کر کے کام یابی حاصل ہوسکتی ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ جب اس نے بہترین ہوا، بہترین پانی، بہترین غذاؤں اور نعمتوں کا انتظام فرمایا تو بہترین اور حقیقی مذہب کا انتظام کیوں نہ کرتا؟

اسلام کا صحیح تعارف نہ ہونے کی وجہ سے غیر مسلم حضرت محمد ﷺ کو اسلام کا بانی سمجھتے ہیں اور قرآن کو آپؐ کی تصنیف جانتے ہیں۔ ایک زمانے میں بعض مغربی دانش وروں نے اسلام کا نام محمڈن ازم رکھ دیا تھا۔ جب کہ حضرت محمدؐ نے اپنی جانب سے کوئی مذہب وضع نہیں کیا۔ وہ اسلام کے آخری پیغمبر ہیں۔ ان تمام غلط فہمیوں کو دور کر کے اسلام اور پیغمبر اسلام کا صحیح تعارف کرانا چاہیے۔ غیر مسلموں کے بارے میں ایک اہم بات یاد رکھیں کہ اسلام کے بارے میں انھیں غلط فہمیوں پر اصرار نہیں۔ اگر صحیح معلومات فراہم کی جائیں تو غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں۔ غرض یہ کہ اسلام کا بانی کوئی نہیں ہے۔ اسلام تمام انسانوں کے خالق، پالنہار اور معبود حقیقی اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ چودہ سو سال پرانا مذہب نہیں ہے بلکہ اس زمین پر پہلے انسانی جوڑے یعنی حضرت آدمؑ اور حوا کے ساتھ ہی اسلام کا آغاز ہوا تھا۔

اسلام محفوظ دین ہے

اسلام کے علاوہ تمام مذاہب اپنی اصل حالت میں باقی نہیں ہیں۔ ان مذاہب میں تحریفات، ترمیمات اور کمی وبیشی نے ان کو بدل دیا ہے کہ ان کی حقیقت اور اصلیت ہی گم ہو کر رہ گئی ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ اصل مذہب اور اس کی تعلیمات کیا تھیں؟ یہ سارے کام ان مذاہب کے پیروؤں نے عقیدت اور غلو کی بنا پر کر ڈالے اور کہیں حالات اور زمانہ کے معیار پر لانے کے لیے

بزعم خود اصلاحِ مذہب کے لیے کیے۔انسانی زندگی کے بنیادی اور اہم سوالات کے جوابات تحریف شدہ مذاہب میں صاف اور واضح طرز پر نہیں ملتے۔زندگی کے بنیادی سوالات یہ ہیں:

خالق کی ذات وصفات، مخلوق کے ساتھ اس کا تعلق، زندگی کا مقصد، موت کی حقیقت، موت کے بعد زندگی کا وجود، انسانی زندگی کی فلاح ونجات کے اسباب وغیرہ۔

مذاہب کے بارے میں معلومات کا ذریعہ ان مذاہب کی کتابیں اور مذاہب کو لانے والی شخصیتوں کی زندگی اور ان کی تعلیمات ہیں۔بعض مذاہب کی کتب ناپید ہیں، بعض کے صرف ترجمے ملتے ہیں، اصل متن موجود نہیں ہے۔مذاہب کی بانی شخصیتوں کی زندگیوں کے بارے میں حقائق کم ہیں۔کہانیاں اور افسانے باقی ہیں۔کچھ اخلاقی تعلیمات ہی کسی مذہب کا کل سرمایہ ہیں، حتی کہ بعض شخصیتوں کے وجود کے بارے میں شک کیا جاتا ہے کہ وہ فی الواقع تھیں بھی یا نہیں؟

اس سلسلے میں اسلام کی پوزیشن پر غور کیجیے۔یہاں غیر مسلموں کی ایک عام غلط فہمی کو دور کرنا ضروری ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا آغاز حضرت محمد ﷺ سے ہوا ہے۔اسلام ایک نیا مذہب ہے۔اس نکتہ کی وضاحت کی جا چکی ہے، اس لیے اس کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔آخری پیغمبر پر اللہ کی طرف سے تیئس (۲۳) برسوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل ہوا۔اس کو آپ انسانی تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن بالکل محفوظ ہے۔آج سے ایک ہزار چار سو پچاس (۱۴۵۰) سال قبل وہ حضرت محمد ﷺ پر جیسا نازل ہوا تھا ویسا ہی آج بھی موجود ہے۔دنیا کے کسی ملک کے کسی پریس میں طبع شدہ قرآن کو لے کر دیکھیں، ماہرین سے معلوم ہوگا کہ قرآن کسی تحریف، کمی وبیشی اور ترمیم یا انسانی کلام کی آمیزش سے پاک ہے۔اس کے ساتھ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت، آپؐ کے اقوال اور افعال، سنت اور احادیث کی شکل میں محفوظ ہیں۔آپؐ کا پیغام اور تعلیمات محفوظ ہیں۔آپؐ تاریخ کی روشنی میں تشریف لائے تھے۔آپؐ کے بارے میں کبھی کسی کو شک نہیں ہوا کہ آپ آئے بھی تھے یا نہیں۔آپ کے اقوال اور افعال کی غیر معمولی حفاظت کی گئی کہ اس سے بہتر انسانی تدبیر کوئی دوسری ہو نہیں سکتی۔آپؐ کے ارشادات کو دوسروں تک پہنچانے کا کام صحابہ کرامؓ اور تابعین نے کیا۔وہ سچے، خدا پرست، پاکیزہ سیرت واخلاق کے حامل اور دیانت وامانت کے پیکر تھے۔آپ کی تعلیمات کے بیان میں جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔انہیں راوی کہا جاتا ہے۔ایسے لاکھوں انسانوں کے حالات زندگی کو

مرتب کر کے جانچا گیا کہ وہ کیسے تھے؟اس تفصیل کوفن اسماء الرجال کہا گیا۔اگرچہ حضرت محمد ﷺ اب ہمارے درمیان نہیں ہیں،لیکن آپ کی چوبیس گھنٹے کی زندگی کا نمونہ ہمارے لیے مشعلِ راہ بن کر سامنے ہے۔آپؐ نے اور آپؐ کے گھر والوں نے دنیا کے انسانوں کی بڑی خدمت انجام دی، وہ یہ کہ اپنی خانگی زندگی کے اہم اور ضروری پہلو لوگوں کے علم میں لے آئے،تا کہ ان کے لیے اللہ کی ہدایت ورہ نمائی مکمل طور پر پہنچ جائے۔کسی بھی شعبۂ زندگی بالخصوص ازدواجی اور خاندانی زندگی میں لوگوں کو اللہ کی ہدایت اور مرضی سے واقف ہونا چاہیے تا کہ آدھے ادھورے دین پر عمل کر کے لوگ خدا کی ناراضی نہ مول لیں، نیز دین کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم نہ رہیں۔

قرآن مجید اپنے اصل متن کے ساتھ محفوظ ہے۔لاکھوں مسلمان اس کے حافظ ہیں۔ رمضان میں ہر سال شہر تو شہر چھوٹے چھوٹے گاؤں تک میں حافظ پورا قرآن تراویح میں سناتے ہیں۔قرآن کی زبان تقریباً ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے بعد بھی ایک زندہ زبان ہے۔ یہ عرب ہی کی زبان نہیں، بلکہ بین الاقوامی زبان بن چکی ہے۔قرآن کی تمام تعلیمات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے،کہیں کوئی ٹکراؤ یا اختلاف اور تضاد نہیں پایا جاتا۔

اسلام مکمل نظامِ زندگی ہے

اسلام مروّجہ مذہب کے تصور کے مطابق ایسا مذہب نہیں ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان کوئی پرائیویٹ معاملہ ہو اور جس میں انفرادی زندگی کے محدود شخصی تعلق کے علاوہ باقی زندگی خدا سے آزاد ہو۔اسلام محض باپ دادا کے زمانے سے مروج کچھ آستھاؤں،رسموں اور رواج اور مراسم کو مان کر آنکھیں بند کر کے چلتے رہنے کا نام نہیں ہے۔

اسلام عقل وبصیرت کی بنیاد پر حقیقت کوتسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔وہ انسانوں کو اسے قبول یا رد کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے۔ اسلام یہ ہے کہ بندہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے اور اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے اور کامل طور پر خود کو اس کے سپرد کردے اور کسی طرح کی سرتابی نہ کرے۔اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ کی مکمل اتباع کرے اور اپنا حقیقی قائد اور رہ نما تسلیم کرے۔ایمان لانے میں بعض غیبی حقیقتوں مثلاً اللہ کی ذات، ملائکہ کا وجود، جنت وجہنم اور آخرت کی زندگی وغیرہ کوتسلیم کرنا ضروری ہے۔ایک اللہ کی غلامی

اختیار کر کے طاغوت سے اجتناب کرے۔ اسلام نے عبادات کا جامع نظام دیا ہے۔ اخلاق و روحانیت کے اعلیٰ اصول بیان کیے ہیں۔ معاشیات، سیاست، تعلیم وتہذیب وتمدن، خاندانی زندگی اور معاشرت کے احکام دیے۔ صلح وجنگ، عدل وانصاف، امن وامان اور سلامتی کے لیے اس کی روشن تعلیمات ہیں۔ غرض یہ کہ اسلام انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے مکمل اور جامع نظام زندگی ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو کو بھی بغیر ہدایات اور رہ نمائی کے باقی رہنے نہیں دیا ہے۔

اسلامی تعلیمات وحی الٰہی پر مبنی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسان اپنے لیے ایسی ہدایت اور رہ نمائی وضع نہیں کر سکا۔ اس نے بے شمار عقیدے، فلسفے اور نظریات گھڑ لیے۔ ان کی بنیاد پر فرد کی تعمیر، معاشرہ اور ریاست کی تشکیل کی کوششیں کی، لیکن اس کا نتیجہ خرابی اور مکمل تباہی کے سوا کچھ اور سامنے نہ آسکا۔

دورِ جدید کا انسان ناقص نظریات اور کچھ مراسمِ پرستش پر قانع نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے لیے مکمل نظام زندگی کا طالب ہے۔ صرف اسلام ہی اس کے مطالبات کو پورا کرسکتا ہے۔ اس دنیا کے بعد آخرت کی ابدی زندگی کے سلسلے میں اسلام کما حقہ انسان کی رہ نمائی کرتا ہے۔

اسلام کے نزدیک ہر چیز کا مالک صرف اللہ ہے۔ اس کی الوہیت اور اس کی حاکمیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

اسلام اس معنی میں بھی مکمل نظام زندگی ہے کہ وہ زندگی کے تمام مسائل کو حل کرتا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے نظریہ اور مذہب کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ اس کے علاوہ اسلام زندگی بعد موت و برے انجام یعنی عذاب جہنم سے بچنے کا واحد راستہ ہے۔

دورِ جدید کا انسان ناقص اور غیر مستند نظریات سے بیزار ہے۔ مکمل نظام زندگی System of Life اور Code of Conduct کا طالب ہے۔ اس کا یہ مطالبہ اسلام ہی پورا کرسکتا ہے۔ اسلام کی ایک اہم تعلیم اجتہاد کی ہے۔ زندگی کے نئے نئے مسائل کا قرآن اور حدیث کے فریم ورک میں رہ کر معقول اور صحیح حل معلوم کرسکتا ہے۔ اسی طرح اسلام کوئی جامد اور Rigid دین نہیں ہے، بلکہ Dynamic اور انقلابی دین ہے۔

اسلام کی تعلیمات تضاد سے پاک ہیں

آج دنیا میں مذاہب کی کتابیں پائی جاتی ہیں ان میں کچھ اخلاقی تعلیمات اور انسانی اقدار کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن انسانی زندگی کے لیے صرف اتنا کافی نہیں ہوسکتا۔ مذہبی کتابوں سے منسوب تعلیمات ناقابل عمل بھی ہیں۔ مثلاً شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ کا خود کو زندہ جلا کر شوہر کی چتا میں ہلاک کرلینا۔ کئی مذاہب میں مرنے کے بعد کی زندگی کو آواگمن (عقیدۂ تناسخ) سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن مذہب کی بنیادی کتب میں اس کی تعلیم نہیں ملتی، گرچہ گیتا اور پران وغیرہ میں یہ عقیدہ موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ کس بات کو تسلیم کیا جائے اور کس بات کا انکار کیا جائے؟ اسی طرح کئی مذاہب میں رسالت کے بجائے 'اوتارواد' کو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی بنیادی کتابوں میں نہیں ہے۔ دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ دیگر مذہبی کتب انسانی آمیزش سے پاک نہیں ہیں۔ قرآن ہی ایسی واحد کتاب ہے جس میں شروع سے آخر تک کوئی آمیزش نہیں، حتی کہ حضرت محمد ﷺ کا اپنا کلام بھی اس میں شامل نہیں ہے۔ قرآن آپؐ کی زندگی ہی میں مکمل طور پر مرتب ہو گیا تھا۔ دوسری مذہبی کتابوں کی تاریخ کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان مذاہب کے پیشواؤں کی وفات کے کافی عرصہ بعد ان کو مرتب کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے مرتبین کے تشریحی کلام، تعبیرات اور توضیحات کو متن کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا۔ بنیادی امور ہی میں مرتبین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوگئے۔ اس کے نتیجے میں مختلف فرقے وجود میں آگئے۔ ایک فرقہ کتاب کے ایک متن (Version) کو مانتا تو دوسرا فرقہ اسی کتاب کے دوسرے Version کو تسلیم کرتا تھا۔ ترجمے بھی مختلف ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، سب کسی ایک ترجمے پر متفق نہیں ہو سکے۔ غرض مذہبی کتاب اور خود مذہب سے تضاد بیانی دور نہیں ہوسکتی۔ اسلام ان سب کمزوریوں سے پاک ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں شروع سے لے کر آخر تک ہم آہنگی، توافق اور وحدت پائی جاتی ہے۔

اسلام عالم گیر اور آفاقی دین ہے

اسلام کوئی قومی، نسلی، علاقائی اور لسانی دین نہیں۔ دنیا کا کوئی انسان، خواہ وہ کسی بھی قوم، نسل اور علاقہ کا ہو اور کوئی بھی زبان بولتا ہو، عقل و بصیرت کی روشنی میں اسلام کو قبول کرسکتا ہے۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس کی ایمانیات، عبادات اور تعلیمات میں سے کوئی چیز بھی مقامی، علاقائی، قومی اور نسلی نوعیت کی نہیں ہے۔ یہ سب عالم گیر اور آفاقی نوعیت کی ہیں۔ اسلام وحدتِ الٰہ، وحدتِ انسانیت اور وحدتِ دین کا داعی ہے۔ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو وحدت کی لڑی میں پروکر ایک عالم گیر انسانی جماعت بناتا ہے اور لوگوں میں اخوت ومحبت کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک دنیا کے تمام انسان، خواہ کسی نسل، رنگ اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں، ایک خدا کے بندے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس لیے پیدائش، رنگ اور زبان کی بنیاد پر ان کے درمیان فرق وامتیاز کرنا غلط بلکہ تباہ کن ہے۔ کسی کی برتری، دوسروں کے کم تر ہونے کے خودساختہ تصور نے انسانوں کے درمیان جنگیں برپا کی ہیں۔ دنیا کے امن وامان کو غارت کر کے رکھ دیا۔ ایمان اور تقویٰ جس شخص کے اندر ہو، خواہ وہ کالا ہو یا گورا، امیر ہو یا غریب، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو یا کم پڑھا لکھا، وہ اللہ کی نظر میں محبوب اور معزز ہے۔

روزانہ پانچ وقت کی نمازوں، عیدین اور حج کے موقع پر انسانی مساوات، عالم گیریت اور آفاقیت کا عملی نمونہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اس طرح روزہ سب کو رکھنا ہوتا ہے، کسی کو اس میں چھوٹ نہیں ہے۔ سوائے مخصوص استثنیٰ کے، جہاں قضا کے احکام آئے ہیں۔

قرآن مجید کا مرکزی موضوع انسان ہے۔ دنیا کا ہر انسان اس کا مخاطب ہے۔ قرآن یا ایہا الانسان، یا ایہا الناس اور یا بنی آدم کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ قرآن تمام بنی نوع انسان کو دنیوی فلاح وکامرانی اور اخروی نجات کا راستہ دکھاتا ہے۔

اسلام انسانوں کی دو قسم تسلیم کرتا ہے: ایک اس کی دعوت کو قبول کرنے والے اور دوسرے اس کی دعوت کا انکار کرنے والے۔ لیکن اس کی دعوت کا انکار کرنے والوں کے بھی انسانی حقوق کو پامال کرنے کی اجازت نہیں۔ انکار کرنے والوں پر ظلم وستم روا نہیں، الّا یہ کہ وہ دشمنی کا رویہ اختیار کر کے کسی سزا کے مستحق ہوں۔

قرآن وحدیث میں اس کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلام سب کے لیے ہے، اللہ کی کتاب قرآن مجید سب کے لیے ہے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت اور ہدایت سب کے لیے ہے۔ یہ وہ عظیم سچائیاں ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام تنگی اور تعصب سے نکال کر انسانوں کو خدا پرستی کے تحت یکجا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو وسیع النظری اور وسیع القلبی

کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے پیرو آفاقی فکر و نظر اور وسیع القلبی کے حامل ہوں۔

اسلام زندگی کے بنیادی سوالات کا جواب فراہم کرتا ہے

انسان دیگر مخلوقات اور حیوانات سے ممتاز ہے، وہ غور و فکر کرتا ہے، حیات اور اپنے انجام کے بارے میں سوچتا ہے۔ اس کی حیثیت عام حیوانات کی نہیں ہے جن کی ایک لگی بندھی راہ ہے جن پر وہ چلتے ہیں۔ انسان کی زندگی صرف اکل وشرب اور آرام و آسائش سے عبارت نہیں ہے۔ اس کے کچھ فکری ونظری مسائل ہیں۔ وہ سوچ بچار کرتا ہے۔ مقصدِ حیات کے بارے میں وہ ایک رائے قائم کرتا ہے، اس کے تحت وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ کردار کے اعتبار سے انسان ستم پیشہ بھی ہوسکتا ہے اور انسانوں کا خیرخواہ بھی، وہ اپنے خالق کا شکر گزار بھی ہوسکتا ہے اور ناشکرا اور نافرمان بھی۔ سب کچھ اس کے اپنے فیصلے پر منحصر ہے۔ وہ حیوان بھی بن سکتا ہے اور فرشتہ جیسا بھی۔ انسانی زندگی کے بنیادی سوالات یہ ہیں:

* حیات و کائنات اور ہر چیز کا خالق کون ہے؟
* خالق کی ذات اور صفات کیا ہیں؟
* تخلیق کے پیچھے اس کا منصوبہ کیا ہے؟
* انسان کی حیثیت اس کائنات میں کیا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟
* خالق اور ابنائے نوع کے ساتھ انسان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟
* خالق اور رب کی رضا کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟
* موت کیا ہے؟ موت کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں؟ اگر زندگی ہے تو وہ کیسی ہوگی؟
* کیا اچھے اور بروں کا انجام ایک ہوسکتا ہے؟

فلسفیوں اور مفکروں نے ان سوالات پر غور کرکے جو جوابات دیے ہیں وہ فقط ظن و تخمین اور قیاس و گمان پر مبنی ہیں۔ ظن اور گمان کبھی حق کا بدل نہیں ہوسکتا، وہ خود بھٹکنے اور دوسروں کے بھٹکانے کا سبب بنتا ہے۔

رہی سائنس کی بات تو اس کا تعلق اصلاً مابعد الطبیعیاتی مسائل سے نہیں ہے۔ فلاسفہ اور مفکرین ان سوالات کے جوابات میں کبھی متفق نہیں ہوسکے۔ اس کے علاوہ سائنس بھی،

ان موضوعات کے سیاق میں، ظن وتخمین اور قیاس وگمان سے اپنا دامن چھڑانے میں ناکام ہے۔

اسلام نے وحی الٰہی کی بنیاد پر ان سوالات کے معقول جوابات دیے ہیں۔ان کی معقولیت میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کہتا ہے کہ انسان اپنی ذات پر اور کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں پر غور کرے اور دیکھے کہ اسلامی عقائد اور غیبی حقیقتوں کی تصدیق اور تائید ان سے ہوتی ہے یا نہیں؟ وہ اس کو پیش نظر رکھے کہ تاریخ انسانی میں بہت سے پیغمبر اور انبیاء کرامؑ آئے۔ ان سب نے وحی الٰہی کی بنیاد پر ان سوالات کے جوابات دیے ہیں۔ان میں سب پیغمبر متفق ہیں۔ ان میں ذرا بھی اختلاف نہیں۔تضاد بیانی کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ یہ برگزیدہ ہستیاں نہایت بااخلاق تھیں۔وہ سب پاکیزہ سیرت وکردار کی حامل رہی ہیں۔ان کے بدترین دشمنوں نے ان کی سیرت اور اخلاق کی پاکیزگی اور صداقت شعاری کی گواہی دی ہے۔ پھر ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ جوعلم ہم تمھیں دے رہے ہیں وہ اللہ کا عطا کردہ ہے۔جن باتوں پر دنیا کے سچے انسان متفق ہوں انھیں تسلیم کرنا ہمارا فرض ہے۔ان پیغمبروں اور نبیوں نے محض انسانوں کی بھلائی اور فلاح ونجات کے لیے حقیقت سے ہمیں باخبر کیا۔اس میں ان کی کوئی دنیوی غرض وابستہ نہیں تھی۔

اسلام معتدل اور متوازن دین ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے پوری کائنات میں اعتدال اور توازن قائم رکھا ہے۔ اسی طرح اسلام میں بھی اعتدال اور توازن پایا جاتا ہے۔اسلام کی بنیادی تعلیمات اور احکام کا مطالعہ کرکے دیکھیں تو کہیں بھی افراط وتفریط، شدت پسندی اور سخت گیری نظر نہیں آئے گی۔ انسانوں پر بے جا پابندیاں عائد نہیں کی گئی ہیں۔فرد اور اجتماعیت کے درمیان توازن رکھا گیا ہے۔

نہ تو فرد کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اجتماعیت بے قدر ہوکر رہ جائے اور نہ ہی اجتماعیت کو یہ مقام حاصل ہے کہ فرد انفرادیت کھو کر بالکل بے دست وپا بن کر رہے۔

قرآن میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ بھلائی اور کامیابی کی دعا سکھائی گئی ہے۔دونوں میں سے کسی کو بھی نظرانداز نہیں کیا گیا۔ یہ دعا سکھائی گئی ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝۲۰۱ (البقرۃ:۲۰۱)

”اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔“

مذاہب اور قدیم وجدید جاہلی نظریات میں افراط وتفریط عام بات ہے۔ مذاہب سے منسوب باتوں میں خلافِ فطرت احکام موجود ہیں۔ اور عدم توازن پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر روحانیت کا اعلیٰ درجہ یہ قرار دیا گیا کہ انسان بیوی بچوں کے جھمیلے میں نہ پڑے، کسی پہاڑ، جنگل یا غار میں پڑا رہے اور روحانی ترقی کے بلند درجات کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ یعنی رہبانیت اختیار کرنے والا خدا کا محبوب بندہ بنے گا۔ اسلام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں ہر شعبۂ زندگی اور ہر معاملہ میں انسان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ عدل کرے اور میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ (النحل:۹۰)

''اللہ تمھیں عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

۲۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا۔ ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

مسلمانوں کو قرآن میں 'امتِ وسط' کہا گیا ہے، یعنی اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے والی امت۔ افراط وتفریط سے بچ کر رہنے والی امت۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔''

ایک مشہور حدیث ہے:

''بہترین کام وہ ہیں جنہیں میانہ روی کے ساتھ انجام دیا جائے۔'' (بیہقی)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی ہوگی، کیوں کہ بعض لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کی۔'' (ابوداؤد)

اسلام میں پروہت واد (Priesthood) نہیں ہے

اوہام پرستی نے بندوں کے خدا تک پہنچنے کے لیے درمیان میں ایک واسطہ ضروری قرار دیا۔ یہ درمیانی واسطہ مذہبی طبقے کے مخصوص لوگ رہے ہیں جو مذہبی اجارہ داری قائم کر کے لوگوں پر اپنا تسلط قائم کرتے ہیں، یعنی عوام راست اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے، دعا نہیں مانگ سکتے اور رب کے ساتھ تعلق قائم نہیں کر سکتے۔ اس مذہبی طبقے کو نظرانداز کر کے اللہ تک رسائی کی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ تاریخ میں ایسا بھی ہوا کہ اس مخصوص مذہبی گروہ کے ساتھ حکم راں طبقہ نے گٹھ جوڑ کر لیا اور ایک ایسی مذہبی اور سیاسی بالا دستی قائم ہوگئی کہ جس سے عوام کبھی نکل نہیں سکتے تھے۔ مذہبی اعتبار سے عوام کو رسموں اور رواجوں میں بری طرح جکڑ دیا گیا۔ اس کے پیچھے معاشی مفادات بھی کام کر رہے تھے، گرچہ نام مذہب کا لیا جاتا تھا۔

اسلام نے انسان کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کیا، درمیان میں کوئی واسطہ یا پروہت واد باقی نہیں رہا۔ بندوں کو ایک مخصوص مذہبی طبقے کی اجارہ داری اور استحصالی نظام سے نجات ملی۔ مذہبی دنیا میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ درمیانی واسطہ کے بغیر بھی کوئی شخص براہ راست اللہ کی عبادت کر سکتا ہے۔ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ مذہبی رہ نما خدا کے نام سفارشی خط لکھ کر دیتے تھے۔ جسے میت کی قبر میں ڈال دیا جاتا تھا، تا کہ اس کی مغفرت ہو جائے۔ اس کے بدلے میں مذہبی رہ نما مالی فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ (البقرۃ:۱۸۶)

اور اے نبیؐ! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔''

مذہب کی دنیا میں اسلام کا یہ ایک انقلابی قدم تھا۔ اس کے نتیجے میں اس تصور کا خاتمہ ہو گیا کہ مذہبی بالادست طبقہ کو اللہ کے یہاں کچھ مخصوص اختیارات حاصل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کو اللہ کی عبادت کا اور اس سے دعا کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اللہ کا مقرب ہو سکتا ہے۔ اس کا محبوب بندہ بن سکتا ہے۔

اسلام عقلی دین ہے

مذہب کے بارے میں عام تصور یہ رہا ہے کہ باپ دادا کے زمانے سے چلی آنے والی رسموں اور مذہب میں تسلیم شدہ تصورات کو آنکھ بند کرکے اختیار کرلینا چاہیے۔ اس میں عقل کا کوئی کام نہیں۔ مذہبی معاملات میں کوئی سوال اٹھانے کی گنجائش نہیں، بس یہی کافی ہے کہ باپ دادا یہ سب کام کرتے رہے ہیں اور بعد والوں کو بھی کرنا چاہیے۔

اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو قرآن کے احکام پر غور کرنے اور عقل وبصیرت سے کام لینے کی تاکید کرتا ہے۔ وہ غور وفکر پر ابھارتا ہے۔ سوال کرنے والوں کو ترغیب دیتا ہے کہ ان کا استفسار علم کے حصول کے لیے ہونا چاہیے اور عمل کے لیے آمادگی موجود ہو۔ اسلام اپنے مخالفین کو بھی عقل وبصیرت سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے، انھیں چیلنج کرتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں کوئی خرابی پاتے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ وہ آفاق وانفس میں پائی جانے والی نشانیوں کا ذکر کرکے انہیں حقیقت تک پہنچنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ متنبہ کرتا ہے کہ انسان کو چوپایوں کی طرح نہیں رہنا چاہیے، جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

قرآن کے زیر اثر مسلمانوں نے تجرباتی سائنس کی بنیاد ڈالی اور آج کے جدید علوم کی بنیادوں کو استوار کیا۔ انھوں نے سائنس اور سماجی علوم میں امامت وقیادت کا فریضہ انجام دیا۔

اسلام سماجی مسائل کا واحد حل ہے

مذہب کے رائج تصور کا مسائلِ حیات سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہب کو محض شخصی زندگی تک محدود رکھا جاتا ہے۔ خدا کی پوجا پرستش، کچھ مذہبی رسوم ورواج، کچھ دان اور تہوار، بس یہی مذہب کی کل کائنات ہے، جس پر نجات کی توقع کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ اسلام انسان کے مسائل کو حل کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ اسلام ایسے اصول وتعلیمات کا حامل ہے جن سے مسائل بہ آسانی حل کیے جاسکتے ہیں۔ اسلام مسائل کو حل کرنے میں کامیابی کا عملی مظاہرہ کرچکا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں چھوٹے بڑے متعدد مذاہب

موجود تھے،لیکن مذہبی رہنماؤں اور مذاہب کے ہوتے ہوئے دنیا سے امن رخصت ہو چکا تھا۔ جنگ ،قتل وغارت گری کا راج تھا، کم زوروں اور عورتوں کے ساتھ ظلم وستم روا تھا۔عدل و انصاف کا پتہ نہیں تھا۔انسانیت طبقوں اور خانوں میں تقسیم کردی گئی تھی۔اس کے علاوہ سماجی برائیاں موجود تھیں مثلاً سود،شراب، جوا،زنا،غلامی،لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا،حقوق کی پامالی۔ ان سب نے انسانیت کو بری طرح پامال کر کے رکھ دیا تھا۔قرآن کا تبصرہ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم:۴۱)

”خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔“

اسلام کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ پہلے عرب میں اور پھر جہاں اسلام پہنچا، وہاں سماجی بگاڑ اور اخلاقی خرابیوں کو دور کر دیا۔ایک صالح انقلاب برپا کر دیا۔عرب میں اس صالح انقلاب کی تکمیل میں ۲۳ سال صرف ہوئے باقی دنیا میں مختصر عرصے میں حالات بدل گئے۔صحابہ کرامؓ کے ذریعے اتنی سرعت کے ساتھ اسلام کی دعوت عام ہوئی کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسلام اس کے بعد صدیوں تک دنیا پر اثر انداز رہا۔قوموں اور نسلوں کے اندر سے جاہلیت کے اثرات کو پاک صاف کر کے نیا معاشرہ ونظام وجود میں لانا اسلام کی خصوصیت ہے۔

آج کا انسان جدید جاہلیت سے دوچار ہے۔قدیم جاہلیت نے سماجی اور اخلاقی بگاڑ اور فساد کو جنم دیا تھا اس سے زیادہ سنگین بگاڑ اور فساد جدید جاہلیت نے پیدا کیا ہے۔ترقی یافتہ حکومتیں کروڑوں ڈالروں کے بجٹ اور منصوبے بنا کر بھی ان خرابیوں کو ختم کرنے میں ناکام ہیں۔قانون وعدالت سزاؤں اور جیل کا پورا نظام بھی اصلاح حال میں ناکام دکھائی دیتا ہے۔خوف خدا، آخرت میں اعمال کی باز پرس اور جواب دہی کے یقین کے ذریعہ اسلام فرد کے اندر انقلاب لاتا ہے۔ اگر انسان اندر سے خود کو بدلنا نہیں چاہتا تو قانون اور دنیا کی کوئی عدالت اس کو بدل نہیں سکتی۔

ایک مثال سے یہ بات واضح ہوگی۔شراب اور بچیوں کو پیدا ہونے کے پہلے قتل کرنا یہ دو بڑی برائیاں آج کے نام نہاد مہذب سماج میں موجود ہیں۔جدید تعلیم اور تہذیب انھیں ختم کرنے میں ناکام ہے۔آج سے چودہ سو سال پہلے ایک مجلس میں چند مسلمان شراب پی رہے تھے۔(واضح رہے کہ شراب اس وقت تک حرام قرار نہیں دی گئی تھی) اچانک مدینہ کی گلیوں میں منادی نے

اعلان کیا کہ حضورؐ پر وحی نازل ہوئی ہے اور شراب حرام کردی گئی ہے۔ تاریخ میں یہ حیرت انگیز واقعہ درج ہے کہ جن کے ہاتھوں میں شراب کا پیالہ تھا انھوں نے لبوں تک پہنچنے سے پہلے اسے پھینک دیا اور مدینہ کی نالیوں میں شراب بہادی گئی۔ آج کسی بھی قوم سے موازنہ کر کے دیکھ لیں۔ مسلم ملکوں اور معاشرے میں شراب کو حرام اور گناہ کبیرہ سمجھ کر اس سے دور رہنے والے بڑی اکثریت میں ہیں۔ جو شراب پیتے بھی ہیں وہ اسے بڑا جرم سمجھتے ہیں۔ غرض یہ کہ نیکیوں کو عام کرنا اور برائیوں کو مٹانا صرف فرد اور سماج کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اسلامی نظام حکومت کی یہ ایک بنیادی ذمہ داری ہے۔

اسلام کا عملی نمونہ تاریخ میں محفوظ ہے

اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس کی تعلیمات محض مقدس کتاب کے اندر لکھی نہیں رہیں اور وعظ ونصیحت کی مجلسوں کی زینت بن کر نہیں رہ گئیں۔ اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر فرد، خاندان، معاشرہ اور ایک عالمی نظام کی تعمیر کی گئی۔ ایک ویلفیئر ریاست قائم ہوئی۔ قرآن کے مطابق ریاست کے درج ذیل فرائض مقرر کیے گئے:

۱۔ اقامت صلوٰۃ ۲۔ زکوٰۃ کا اجتماعی نظام (بیت المال کا قیام)

۳۔ امر بالمعروف ۴۔ نہی عن المنکر

یعنی اسلام صرف عقیدہ (نظریہ) اور ایمان کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان کے ساتھ عملِ صالح پر پورا زور دیتا ہے۔ یہ صرف اسلام کی تعلیمات ہیں کہ جن کے ذریعہ سے فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور صالح ریاست کی تشکیل ممکن ہے۔

اسلام کی تشکیل کردہ ریاست میں معاشی خوش حالی کا حال یہ تھا کہ اعلان ہوتا کہ زکوٰۃ کے مستحقین آئیں اور مال حاصل کرلیں لیکن کوئی نہیں آتا تھا۔ امن وامان کا حال یہ تھا کہ ایک بوڑھی عورت سونا اچھالتی دور دراز مقام کا سفر کرتی اسے خدا کے خوف کے سوا کوئی دوسرا خوف لاحق نہ ہوتا۔ یہ اس سرزمین کا حال ہوا جہاں طاقت ور قبیلے بھی لٹ جاتے تھے۔ اسلام نے بے مثال انقلاب برپا کیا۔ آج دنیا کو اسی دینِ برحق کی ضرورت ہے۔